

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید محمد ابراہیم فردوس مکانؒ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

تاریخ ولادت اور ابتدائی زندگی

۱۰ جمادی الآخر ۱۲۵۹ھ / ۹ جولائی ۱۸۴۳ء کو دارالسلطنت لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ جد امجد سید العلماء علیہین مکان نے ساتویں دن عقیقہ میں محمد نام اور ابراہیم لقب قرار دیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ آپ کے والد علام ممتاز العلماء فخر المدرسین سید محمد تقی کا شہرہ علم و کمال روز روشن میں بلند ہوتے ہوئے سورج کی طرح چمک رہا تھا۔ نومولود فرزند اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو:

مولائے خلق مجتہد العصر والزماء
مہر سپہر رفعت و خضر رہ رشاد
ہمنام نور دیدہ خیرالوری حسینؑ
دریائے علم وآیہ رحمت پیٰ عباد
سید تقی کہ اوسط اولاد شان بود
بدر منیر فضل ، مہ ساطع سداد
ایزد باں جناب چو از لطف خاص بود
فرزند پاک طینت و طفل سعید داد
عباس گفت مصرعہ تاریخ مولدش
ایں تازہ گل دمیدہ گلزار اجتہاد
۱۲۵۹ھ

پانچویں برس بسم اللہ ہوئی اور سلطان العلماء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف اول

وہ عظیم شخصیتیں جنہوں نے ہمارے خیال اور کردار ہماری قومی فکر اور ملی جذبہ کو ایک سے زیادہ پہلوؤں سے متاثر کیا، ان میں خاندان غفران مآب کے چشم و چراغ فردوس مکان سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ مجتہد سید العلماء کی شخصیت بہت نمایاں ہے وہ برصغیر میں ممتاز حیثیت سے عظیم خوبیوں کے مالک اور شیعیت کے پر خلوص ترجمان، کریم النفس انسان، قوم پرور مفکر تھے۔

انہیں کی عظیم شخصیت تھی جس نے سلطنت اودھ کے زوال اور قوم کے روزافزون انحطاط میں جب کہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور انقلاب غدر ۱۸۵۷ء کے جھٹکے ملک کو پہنچنے نہیں دے رہے تھے راہنما کی ضرورت کو بدرجہ اتم پورا کیا اور اپنی ہمہ گیر قبولیت سے تاریخ کا دھارا موڑ دیا۔

انگریز حکمران نے سلطنت اودھ کو غصب کرتے ہی مسیحیت کی تبلیغ اور رعایا کی غلامی کو پہنچنے کرنے کے لئے کوئی حربہ نہیں چھوڑا جو استعمال نہ کیا ہو۔ ان کی بڑھتی ہوئی طلب کو پیہم مدد پہنچانے کے لئے کچھ ملت فروش حکام نے ساز باز میں مصروف اور ہوس اقتدار کے شکار بن کر شیرازہ ملت منتشر کر رہے تھے۔ ان کے حساس دماغ نے قوم کو چونکا یا اور فرائض کو اجاگر کر کے احساس مذہب کو مستحکم کیا۔ انہیں کی ہمہ گیر شخصیت تھی جس نے مذہب پرست قوم میں مغربی تعلیم کی شروط منظوری سے شیعوں میں اہم مکتبہ فکر کی بنیاد ڈالی اور آج جدید علوم و فنون کے میدان میں ہماری کامیابیاں انہیں کی مخلصانہ تجویز کا نتیجہ ہیں اور اسی برس کے قریب ہو رہے ہیں، ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پُر نہیں ہو سکتا قوم میں نشاۃ ثانیہ کے لئے فردوس مکان نے روح چھوکی اور وہ باقیات الصالحات چھوڑ گئے جن کے فیوض کی نہریں آج بھی جاری ہیں۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ هُوَ حَسْبِیْ وَ نَعْمَ الْوَكِیْلُ

فقیر البلیت آغا مہدی لکھنؤی (۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ)

رضوان مآبؒ نے تعلیم کا پہلا فرض بہ نفس نفیس خود ادا کیا۔ اور جو ہر قابل پر جلاء شروع ہوئی۔

مکتبہ ممتاز العلماء میں وہ پارہ قرآن موجود ہے جو آپ کی تعلیم میں شاہراہ تھا اور معلم کی تادیب سے جا بجا آنسوؤں نے صفحہ قرطاس پر حرفوں کی سیاہی کو پھیلا دیا۔ نویں برس ختنہ ہوا۔ یہ اسی عہد علم و ادب کا ذکر ہے، جب لکھنؤ با کمال شعراء سے چھلک رہا تھا اور ارباب ادب کی نگاہیں ساحت کمال سے لڑی ہوئی تھیں۔ عابد علی تمنائے صدائے تہنیت میں یہ مادہ تاریخ ترتیب دیا۔

سال تاریخ تمنائے زخرد جست بکفت
از پئے دین نبی حجت قطعی انیست

۱۲۶۷ھ

افکار کی رفعت میں خانوادہ علم کی بلندی کا بھرپور تصور تھا دوسرے شاعر نے طائر خیال کو فلک تک پہنچایا اور پر خلوص لہجہ میں عرض کیا۔

مہ برج امید سید تقی
بہ اوج آفتاب و بہ طلعت قمر
چوں مختون شد فضل حق آں سعید
سرو طرب زہرہ بنمود سر
زروے ادب گفت سالش عزیز
ہلالے ز ابر تنگ شد بدر

۱۲۶۷ھ

گرد و پیش میں ہر طرف علمی چرچا اور جسمانی تربیت پر کوئی خاص توجہ نہ دینے سے آپ کا شمار نومند اطفال

میں نہ تھا۔ علم تجوید کی تحصیل میں ہمزہ کی ادائیگی پر مشق میں منہ سے خون آگیا۔ ابتدائی تعلیم اور ختم قرآن کی سعادت کے بعد صرف دُخو، منطق، ریاضی، حکمت کی تحصیل میں مولوی کمال الدین کا نام نامی نظر آتا ہے جنہوں نے اپنے کمالات کی تصویر بنا دیا۔ پندرہویں برس حقیقی بیچا زبدۃ العلماء معین المؤمنین سید علی نقی علی اللہ مقامہ کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ شادی ہوئی۔ سلطان العلماء اور سید العلماء کی پر شکوہ و کالت سے صیغہ ہائے عقد جاری ہوئے۔ زبدۃ العلماء آخری تاجدار اودھ کے خاص عالم تھے۔ ان کا قصد تھا کہ لڑکی کا جہیز اونٹوں پر بار کر کے جلوس کی صورت میں دولہا کے گھر جائے۔ ممتاز العلماء نے چھوٹے بھائی کی اس اولوالعزمی کو ناپسند کیا اور اپنے شریعت کدہ پر بجز عروس کے کچھ نہ آنے دیا۔ کیوان نے اس قرآن السعدین پر عرض کیا۔

وَلَدَ الْمُجْتَهِدِ مُحَمَّدٌ النَّقِيُّ
خِلَافَةً بِحَيَاتِهِ مُتَفَرِّجٌ
هُوَ لَيْلَةُ الْعِيدِ الْغَدِيرِ مُنَاكِحٌ
أَزْخَتْ فِي ذِي حِجَّةٍ مُتَزَوِّجٌ

۱۲۷۲ھ

دوسری تاریخ بہ زبان فارسی ہے جو کچھ تعجب نہیں کہ مرزا دبیر مرحوم کی ہو وہ اس خانوادہ کے مقلد تھے۔

خلف الصدق سید العلماء
بہ بلاد و دیار می نامند
پسر اوست سید ابراہیم
بہ بساط عروسی آراند

یا الہی مدام بادہ عیش
بایاغ سرواں نامند
شب چو آن ماہ کد خدا گردید
ابتدائش بنیر انجامد
کرد ساش رقم دبیر فلک
مشتری ہان بعقد مہ آمد

۱۲۷۲ھ

تاہلی زندگی کے بعد تحصیل علم میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی۔ بچپنا جوانی حیرت ناک سن وسال تھے۔ نہ کبھی عام لڑکوں کی طرح کھیل کود میں چھٹپن گذرا اور نہ شباب میں دنیاوی زندگی بسر ہوئی۔ چہرہ پر آثار تدبر، صورت سے بردباری آشکار تھی۔ عہد شاہی کا عربی سیرت نگار ابتدائی زندگی کے اظہار میں رقم طراز ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنَ ذَاتَهُ لَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا هَمْسًا وَلَا يَمِشِي إِلَّا مَيْسًا۔ ان کی بہترین تہذیب یہ تھی کہ ہمیشہ آہستہ بولتے تھے اور کبھی نخوت کی رفتار نہ چلے۔ باپ اور دادا کی توجہات سے سولہویں برس جامع علوم قرار پا کر مجتہد ہوئے۔ آخری تعلیم سرکار ممتاز العلماء سے نماز صبح کے بعد باغ کی روش پر ٹہل ٹہل کر حاصل کی مشائخ کی یاد تازہ کی۔

ابھی تک بزرگوں کے سایہ عطوفت میں پرورش پا رہے تھے سب سے پہلے ۱۲۷۳ھ میں دادا کا سایہ سر سے اٹھا۔ پھر غدر ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے خواب و خور حرام کر دیا۔ مصائب و آلام کے پل صراط سے بڑی چابک دستی کے ساتھ گذرے۔ وطن کے جیالے جانبازوں کی سرفروشی مدت

تک دل و دماغ میں جگہ کئے رہی۔ رفتہ رفتہ دور امن پھر پلٹا تھا کہ ۱۲۸۴ھ میں قوم کے سر سے سلطان العلماء کا سایہ اٹھا اور ذات ممتاز العلماء میں مرجعیت کا انحصار ہو گیا۔

ممتاز العلماء کا انتقال اور قائم مقامی

شفیق باپ نے نو عمر بیٹے کے علمی معیار کو دیکھ کر اجازہ دینے کا ارادہ کیا مگر قضاء قدر نے یہ روز مسرت ان کو دیکھنا نصیب نہ کیا اور شب قدر کی عبادت کے بعد ۲۴ رمضان ۱۲۸۹ھ کو ہیضہ میں مبتلا ہو کر دفعتاً رحلت کی، وہ گھرانہ جس کی (تقلیل) غذا شہرہ آفاق جس نے ترکاری یا گوشت کبھی نوش نہیں کیا اور ہمیشہ روٹی کا ٹکڑا شوربہ کے ساتھ کھاتے رہے، اس کو کالرا حیرت کی بات تھی مگر حالات کا جائزہ لینے پر اندازہ ہوا کہ راتوں کو بیدار رہنے سے سوء ہضمی ہوئی۔ شب وفات تک تفسیر قرآن کی خدمت میں مصروف تھے۔ شہر میں وباء تھی پہلی استفراغ پر طبیب نے سکنجبین دی اور آثار موت طاری ہوئے۔ شہر میں وفات سے ہلچل پڑ گئی۔ شہر کے نفاست پسند دستور کے مطابق سلاطین اور علماء کے لئے اس وقت صندل کا صندوق اور تابوت پر نیا شامیانہ تیار کئے بغیر استعمال شدہ سامان میں تجہیز و تکفین نہ ہوتی تھی۔ حادثہ عظمیٰ نے دیوار و در پر آثار غم طاری کئے اور تقریباً ایک لاکھ مشایعت کرنے والوں کے جم غفیر میں لاش دریائے گوتمی سے عقب مسجد تحسین ذاتی امام باڑہ کے لقی و دق صحن میں پہنچی۔ اولاد کا غم و الم میں جو حال تھا، اس سراپیمگی میں حفظ مراتب کا جذبہ باقی رہا۔ نماز جنازہ کے لئے ہر طرف یہ پکار کہ سید محمد ابراہیم آئیں اور نماز میت شروع ہو۔ آپ نے

الْفُضَّلَاءِ الْقَاطِنِينَ بِبَلَدَةِ لَكْهَنُو وَاجْلَسُوهُ عَلَى
وَسَادَةِ ابْنِهِ بِالْعَظِيمِ وَالتَّكْرِيمِ وَسَلَّمِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَامِلُونَ
الْمَاهِرُونَ اجْتِهَادَهُ بِالْإِطَاعَةِ وَالتَّسْلِيمِ لِأَنَّهُ أَحَقُّ
الْاجْتِهَادِ بَعْدَ ابْنِهِ۔

ترجمہ: ان کے عقب میں نماز پڑھی بڑے بڑے عالموں
اور فاضلوں نے جو شہر میں اقامت گزریں تھے اور ان کے والد
علام کی جگہ پر بٹھایا اور ماہرین فن نے ان کی اجتہادی قوت کو
تسلیم کیا۔ اور باپ کے بعد منصب کے حقدار وہی تھے۔

پوری قوم نے تقلید کی علماء عراق کے خطوط تعزیت
بڑے گرانقدر الفاظ پر مشتمل موصول ہوئے جو مستقل
اجازات کا درجہ رکھتے ہیں مگر ہم جب آپ کے علیہ کو دیکھتے
ہیں تو احتیاطی فتاویٰ کے سوا ذاتی رائیں نظر نہیں آتیں اور جہاں
اجتہاد کیا، وہ فقہ جعفری میں ایک سنہرا باب ہے۔ خود مختار
ہونے اور منصب جد و پدر تک پہنچنے کے بعد عوامی بہبود و فلاح
، سماجی ترقی، معاشی خوشحالی، ہر شعبہ زندگی میں قوم کی خدمت
کی۔ ہر مشکل، ہر ضرورت پر کڑے وقت پر قوم کی آواز پر
لبیک کہا اور مذہب کی تعمیر و استحکام میں حصہ لیتے رہے۔

بلندی فکر

آپ کو قائم مقام جد و پدر کی وہ خصوصیت تھی جس
کی وجہ سے علمی مشکلات میں برصغیر کے چپہ چپہ نگاہیں ان
پر اور صرف ان پر تھیں، حالانکہ تلامذہ غفران مآب، سید
العلماء کے شاگرد بھی اس وقت موجود تھے اور ان نفوس قدسیہ
میں وہ اتحاد عظیم تھا کہ درجات میں برتر ہونے کے باوجود ہر
ایک تعظیم کرتا تھا اور مسجد تحسین کی جماعت میں منبر سے محراب

صمیم قلب سے عذر کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت کے موجودہ
علماء اور تلامذہ غفران مآب میں بہتر و افضل جناب مولانا میر
احمد علی صاحب (محمد آبادی) ہیں۔ مناسب ہوگا کہ یہ خدمت
وہ انجام دیں اس سادگی طبع اور کسر نفس پر شور گریہ بلند ہوا اور
حجۃ الاسلام مولانا احمد علی خود روتے ہوئے آگے بڑھے اور
آپ کا ہاتھ پکڑ کر تابوت تک پہنچایا اور خود عقب میں اقتداء
کی۔ اہل علم میں کوئی ایسا نہ تھا جو صف اول میں نظر نہ آ رہا ہو۔
مجلس سویم میں روساء اودھ کی طرف سے خلعت تعزیت دیا
گیا اور مسند آباؤ اجداد کا وارث قرار دے کر قائم مقام کیا اس
جائزہ کی بعد شہر کا پہلا جمعہ ماہ صیام میں جمعۃ الوداع اور
۲۷ ماہ مبارک کو آپ کی اقتداء میں، جو مسجد تحسین پر ہوا
، اس کی تاسیس تعمیر میں علامہ سید غلام حسنین کٹھوری کے
خدمات نظر انداز نہیں ہو سکتے۔ آپ کی تجویز سے اس
اچانک حادثہ میں تعزیت کے سلسلے کو روک کر جمعہ کے دن پر
اٹھارکھا تھا اور کسی کو شریعت کدہ پر آنے کی نوبت نہ آنے دی
یہی راز تھا کہ تمام اہل علم خصوصیت سے اپنے فرض کا احساس
کر کے الوداع کی نماز میں موجود تھے اور مسجد تحسین پر یہ ہجوم
کبھی نہ ہوا۔ سقف و در اور بالائے بام حمام پر نمازیوں کی صفیں
تھیں۔ آپ پھر سجادہ تک جانے میں اپنی ذمہ داری کو محسوس
کرتے تھے۔ یہ حالات شرح و بسط سے آپ کو میرے
تالیفات^(۱) میں ملیں گے۔ اس وقت کے عربی اخبار نے اپنے
نمائندہ کے ذریعہ پنجاب سے سرگزشت نشر کی اور یہ الفاظ صفحہ
تاریخ پر چھوڑے۔ قَدْ صَلَّى خَلْفَهُ أَكْبَارُ الْعُلَمَاءِ وَعَمَائِدُ

(۱) ذوائب جلد سویم

اور حملہ آوروں سے کہا کیا غضب کرتے ہو۔ یہ جناب کے ماموں ہیں کھنچی ہوئی تلواریں روک لی گئیں اور شمشیر بکف دشمن کے سر نہامت جھک گئے۔ خیریت یہ ہوئی کہ طرفین میں کوئی زخمی ہونے نہیں پایا تھا۔ سید صاحب نے عالم کا یہ احترام دیکھ کر فکر انتقام سے منہ موڑا۔ تلوار نیام میں رکھی اور بال بال بچ کر بھانجہ کے شریعت کدہ پر پہنچ گئے۔ آپ کے معلومات میں معلوم کر کے اضافہ ہوگا کہ اس مرد دلیر کی آخری آرام گاہ امام باڑہ غفران مآب ہے جہاں وہ اپنی موت سے مرنے کے بعد سپرد زمین ہیں۔ ان کی نسل بھارت اور طہران میں موجود ہے۔

انگریزی تعلیم

عہد فردوس مکاں کے اہم مسائل میں مسلمانوں کے سامنے انگریزی تعلیم کا وہ سخت مرحلہ تھا جس کے نفع اور ضرر پر ارباب دانش کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے تھے۔ جنگ آزادی میں ہر مکتب خیال کی قربانیاں ارض وطن کو خون ناحق سے رنگین کر چکی تھیں۔ انگریزوں کو دیس سے نکالو کی صدائیں جو فضا میں گونج رہی تھیں، ان کو عوام فراموش نہیں کر سکتے تھے۔ اس عام نفرت میں سرسید احمد خان کا انگریزیت کی بنیاد قائم کرنے اٹھ کھڑا ہونا، قوم سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس موقع پر تمام مسلمانوں نے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ نہ ان کو بھی خواہ ملت سمجھے ان کے ترجمان اور ”آرگن“ ”تہذیب الاخلاق“ کی آواز مذہب میں ڈوبی ہوئی ہستیوں کو آزادی کا درس دینے میں کامیاب نہیں ہوئی۔ ملک کے چپہ چپہ سے ان کی مخالفت میں

کے پا کھے تک صف اول میں عمامے ہی عمامے نظر آتے تھے اور ہر ایک فرد فرید تھا۔ اس بہتات میں کسی رئیس نے اپنے گھر بھر سے حج کا ارادہ کیا مگر داماد نے اپنی اہلیہ کو باپ کے ساتھ سفر کی اجازت نہ دی۔ رئیس نے علماء سے رجوع کی۔ سب نے بالاتفاق بھی کہا کہ اطاعت شوہر مرضی پدر پر مقدم ہے۔ آخر میں یہ مسئلہ فردوس مکاں کے پاس آیا جب وہ مصلیٰ پر تھے استغناء زیر جانماز رکھ کر حکم دیا کہ کل آنا۔ دوسرے روز یہ لکھ کر کاغذ واپس کیا کہ باپ بیٹی کو اگر اس قدر مال و زر اپنے سرمایہ سے دے دے کہ وہ خود مستطیع ہو جائے تو بلا اجازت شوہر حج کر سکتی ہے۔ اس جواب نے دنیاے علم میں ہلچل پیدا کر دی تمام معاصرین فکر رسا کے قائل ہو گئے۔

ہمہ گیر اثر اور جرائم پیشہ پر نظر

ملک کے طول و عرض میں آپ کے خدمات کا وہ بے پناہ اثر اور ہر دل عزیزی اس قدر وسیع تھی کہ عہد شاہی میں آپ کے ماموں جن کا وطن مالوف نصیر آباد ضلع رائے بریلی تھا، لکھنؤ آئے کسی ضرورت سے یچی گنج کے تنگ راستہ سے گذر رہے تھے، کچھ غنڈوں نے قیافہ سے جانا کہ دیہاتی ہے اس کو لوٹ لینا چاہئے۔ ٹوکا اور تلوار چلنا شروع ہوئی۔ یہ اکیلے اور وہ کئی۔ دیر تک مقابلہ ہوا اس قسم کی شمشیر زنی راہ گلی میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ ہجوم عام ہو گیا۔ اس زمانہ کا خاص ذوق تھا کہ جس کو کمزور نہ پاتے اس کی ہمدردی کی ضرورت نہ تھی۔ ہاتھوں کی صفائی، دل کی پامردی دیکھنے والوں کے ٹھٹھ لگ گئے۔ حسن اتفاق سے سید صاحب کا اس مجمع میں کوئی شناسا نکل آیا اور وہ صفوں کو چیرتا ہوا تلواروں کے نزدیک آیا

صدائیں بلند ہوئیں۔ یہ ہیجان اس وقت کی شائع شدہ کتاب اَمَّا اِذَا الْاَفَاقُ لَوَجَمَ اَهْلُ النِّفَاقِ کے مطالعہ سے واضح ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب مطبع نظامی کا پور ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی اور سرسید کو منکر معراج قرار دے کر سہارنپور دیوبند، دہلی، لاہور کے تمام اسلامی مدارس کو ناکافی سمجھنے کے جرم میں زیادہ سے زیادہ تاثرات کا اظہار کر کے قابل بیزار قرار دیئے گئے۔ تمام علماء کرام اور آئمہ مساجد کے منادی ان کے خلاف شائع ہوئے اور کتاب کے آخر میں جو اشتہار ہے اس میں خاندان غفران مآب کے صرف ایک عالم ملک العلماء سید بندہ حسین صاحب مرحوم وہ تھے جن کی تحریر کھلے ہوئے لفظوں میں نہ تھی۔ فتویٰ حاصل کرنے والا طبقہ اس کو اپنی تائید میں سخت ترین سمجھتا رہا۔ اور کالج کے حامی اس کو اپنے لئے مفید سمجھے۔ آپ کا جواب بھی دوسرے ہم عصر علماء کی طرح عربی میں تھا۔ تَعَاوُنُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوُنُوا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

مہر شریف

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الصَّمَدُ الْاَحَدُ

عبدہ سید بندہ حسین بن سید محمد

۱۲۸۳ھ

تمام جوابات میں یہ زلزلہ اُگلن انداز قرآنی لب و لہجہ میں ہونے سے اپنی جگہ وہ اٹل فیصلہ تھا۔ مخالف سمجھتا رہا کہ وہ اس اقدام میں عذاب الہی سے ڈراتے ہیں اور سرسید سے اعلیٰ دماغ اس کو اپنی مدد تصور کرتا رہا۔

ملک العلماء کا انتقال ۱۲۹۳ھ میں ہوا۔ سرسید کو یقین تھا کہ خاندان اجتہاد نے بھی علی گڑھ کالج کی مخالفت نہیں کی۔ کالج بن جانے کے بعد ملک العلماء کے مختلف البطن بھائی تاج العلماء سید علی محمد صاحب کو کمیٹی کا ممبر بنایا، مگر آزادی اور مذہبیت میں آگ اور پانی کی نسبت تھی تاج العلماء سرسید کے ہمنوا نہ ہو سکے اور کمیٹی سے سبکدوش ہونا پڑا۔ ایک درس گاہ کا اتنے بڑے مسلم الثبوت عالم کے مشوروں سے حرمان معمولی بات نہ تھی۔ تاج العلماء نے تنقید کا صور جس بلند آہنگی سے پھوکا، اسے ان کے اور سرسید کے مرجانے پر بھی دنیا نہیں بھولی اور لا اویت کی کامیابی پر حق کی کنارہ کشی ضبط تحریر و تدوین میں آ کر رہی۔^(۱)

فردوس مکان فطرت بشری کی کمزوریوں پر اچھی طرح ناظر تھے ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنٍ مِّلُوْا کَیْہِم (لوگ حکمران کے مسلک پر رفتہ رفتہ آجاتے ہیں) کی پیشین گوئی پوری ہو کر رہے گی لہذا وہ ملایان مسجد کی طرح سرسید کے کفر کا فتویٰ دینے کے بجائے مشروط اجازت دینے پر تیار ہو گئے۔

فردوس مکان کے دل میں دہریت کی داغ بیل پڑنے کا گہرا صدمہ تھا۔ وہ امر بالمعروف کے شرائط پر غور و خوض کرتے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اسلامی مرکز کے فتوؤں کا کیا انجام ہوا۔ کالج قائم ہو کر رہے گا۔ اس وقت شیعوں میں ٹولیاں نہ تھیں، نہ کوئی دوسری سرکار تھی جس سے اختلاف پھیلنے کا ڈر تھا، کمالات اولاد غفران مآب ہی میں

(۱) رسالہ معالم ماہ رمضان ۱۳۲۱ھ

احساسات میں تڑپ اور خدمات میں خلوص تھا، لہذا ان کے نظریہ پر خط نسخ کھینچ نہ سکا۔ قوم میں اس وادی سے گذر کر جو جو معراج کمال پر پہنچا وہ فردوس مکان کا صدقہ تھا۔

الہ آباد میں تبلیغ دین

ہندوستان کے ہر گوشہ میں تلامذہ غفران مآبؒ رشد و ہدایت کے چراغ روشن کر چکے تھے اور مقصد تبلیغ بڑے حسن و خوبی سے پورا ہو رہا تھا یا در ہے کہ ملک میں سفر کر کے دورہ کرنا شخصیت علماء کے منافی تھا۔ عراق سے آنے کے بعد غفران مآبؒ دیس سے باہر نہیں گئے، رضوان مآب سید العلماء نے وطن سے قدم نہیں نکالا کچھ مقامات وہ تھے جہاں کے باشندے چاہتے تھے کہ مقامی عالم پر اکتفا نہ ہوتے ہوئے آپ کا خصوصی نائب زحمت سفر برداشت کرے اور دینی خدمات انجام پائیں۔

سید العلماء کے دفتر کا انتظام اس قدر مکمل تھا کہ درآمد و برآمد خطوط کے لئے ان کے لاتعداد مخلصین کے نام اور پورے پتے ایک بڑی کتاب میں درج تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی تحریریں ملک کے چپہ چپہ پہنچتی ہیں اور ضروری کاغذات کے محفوظ رکھنے کا انتظام تھا جو اللہ کے فضل و کرم سے آج تک موجود ہے۔

ان مراسلات پر نظر تعمق سے واضح ہوا کہ الہ آباد کے اہل ایمان نے ماہ صیام کے لئے فردوس مکان سے عالم طلب کیا اور انھوں نے نظر انتخاب سے جس کو مامور کیا وہ زہد و ورع میں ممتاز اور تلامذہ خانوادہ غفران مآبؒ میں نمایاں شخصیت حجتہ الاسلام سید ابوالحسن عرف ابوصاحب قبلہ تھے

تقسیم تھے اور کامل اعتماد تھا کہ وہ جو کہیں گے وہی قوم کا لائحہ عمل ہوگا۔ وہ اکثریت کے بہاؤ میں ڈبکیاں کھاتے نہیں رہے، انفرادی حکم دیا اور اس سلسلہ میں وہ مرد آہن مستحق تبریک ہے جس نے زمانہ کے نشیب و فراز پر توجہ دلا کر شریعت کدہ سے حکم جواز حاصل کیا۔

مہدی علی خاں کٹھر فردوس مکان کی صحبت میں گھنٹوں بیٹھنے والے طبقہ میں تھے، جن کے سامنے قوم کا مستقبل اور زمانہ کی نزاکت تھی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سید العلماء ثانی سید محمد ابراہیم صاحب مجتہد سے انگریزی تعلیم کی مشروط اجازت حاصل کی اور طے پایا کہ جو مذہبی نگرانی اولاد کی کر سکے وہ اپنی ذمہ داری پر مغربی تعلیم دے، کوئی حرج نہیں ہے۔

صوبے دار صاحب کا اذن حاصل کرنا تھا کہ ملت چھک پڑی اور کون ایسا تھا کہ جو اولاد کے لئے دینی ذمہ داری نہ لے۔ یہ اس طبقہ کا ذکر ہے جس کو طلباء کی دنیاوی زندگی سدھارنے سے زیادہ مذہب کی آن کا پاس تھا۔

شیعہ و کلاء میں شہنشاہ حسین اس بیج کے سربراہ تھے اور قوم میں ان سے سینئر و کلاء صرف اردو داں تھے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے، جب قوم میں اقتدار علماء روز افزوں تھا۔ دوسری قوموں کے آگے بڑھنے اور شیعہ اقلیت کے پیچھے رہ جانے کے تصور میں ان کی روح چیخ اٹھی۔ ملکی تعلیم سے بے بہرہ رہنے میں معاشرہ کی مشکلات کا اندازہ کیا۔ قوم کی آئندہ زندگی کی ناہمواری سے متاثر ہوئے اور مخالفت کے پل صراط سے بڑی چابکدستی کے ساتھ گذر گئے۔

جن کو جناب ممتاز العلماء طاب ثراہ کی دامادی کا بھی شرف حاصل تھا۔ فردوس مکان کی حقیقی بہن حضرت عماد العلماء سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ فقیہ کو منسوب تھیں اور مختلف البطن بہن حجتہ الاسلام سید ابوالحسن صاحب مذکور کے حوالہ عقد میں تھیں۔

مفتی میر عباس صاحب قبلہ جو ہر دو صاحبان میں طبقہ اولیٰ کے عالم تھے کبھی کلکتہ اور زیادہ تر نواب نظام الدولہ وزیر اودھ کے علاقہ کانپور میں گنگا پاراہم دینی خدمات انجام دیتے رہے تھے۔ الہ آباد شیعیت کا مرکز اور ملک پر انگریزوں کے تسلط نے دہلی کے بجائے کلکتہ کو راجدھانی بنا رکھا تھا۔ اور لکھنؤ کی جگہ الہ آباد کو دی تھی۔ جمنپار کا علاقہ ایمان و عمل کی چھوٹی بڑی بستیوں سے معمور تھا مرکز سے الہ آباد کے مقرر رئیس نواب ابوعلی حسن جان صاحب نے پیشمازی کی تحریک کی اور فردوس مکان نے اس خدمت دین کے لئے حجتہ الاسلام ابو صاحب قبلہ کو اس شرط پر بھیجے کا ارادہ کیا کہ اگر مسجد تحسین چوک کی امامت عماد العلماء منظور کریں تو ایسا ہو سکتا ہے چنانچہ نواب نے اس تجویز کا حوالہ دیتے ہوئے جو خط عماد العلماء کو لکھا وہ بختم موجود ہے نقل ملاحظہ ہو:

جناب معالی القاب مولانا و مقتدانا جناب میر آغا صاحب قبلہ مدظلہ

پس از مراسم تسلیم عرض اینست کہ امروز جناب سید العلماء محمد ابراہیم صاحب قبلہ بر عرضی بندہ کہ ہمراہ عرضی ہذا است اذن تشریف بردن جناب سید ابو صاحب قبلہ بایں شرط تحریر

فرمود اند کہ اگر جناب میر آغا صاحب قبلہ اقامت جماعت در مسجد تحسین فرمایند زیادہ حد ادب۔ عرضی۔ فدوی ہو علی حسن جان ساکن شہر الہ آباد ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۰۸ھ

اس خط پر جناب میر آغا صاحب قبلہ نے یہ مختصر جواب لکھا:

زاد الطافکم۔ اگر برادر عزیز مولوی سید محمد ابراہیم صاحب زاد فضلہ نحیف را بایں امر خیر مامور سازند تقریراً مشافہً یا تحریراً پس نحیف را عذر می نخواہد بود۔ میر آغا عفی عنہ جناب فردوس مکان نے اس سلسلہ میں عماد العلماء کو جو رقعہ لکھا اس کی نقل یہ ہے:

حسن جان خان صاحب دام مجدہم، صاحبزادہ نواب مظفر حسین خان صاحب بہادر مرحوم و دیگر احباب از مومنین اصرار دارند کہ جناب ابو صاحب را اذن بدہم کہ حسب معمول بالہ آباد تشریف برند و جناب را در مسجد تحسین برائے اقامت نماز ظہرین۔ چون ملتئم شان منوط بمصالح است و خصوصیات خاصہ آنحضرات اظہر من الشمس و ابین من الامس است اگر جناب اجابت مستول و انجاح مامول شان خواہند فرمود اصلح و انسب خواہد شدہ بریں تقدیر جناب ابو صاحب را اذن بدہم کہ الہ آباد تشریف برند۔

قدیم تہذیب کا تقاضا یہ نہ تھا کہ اس مقصد عظیم کے لئے دعوت نامہ کافی سمجھا جائے۔ نواب زادہ لکھنؤ آئے اور فردوس مکاں کی خدمت میں اطلاع دی کہ میں اور نواب الطاف حسین خان اور جو حضرات الہ آباد کے لکھنؤ میں موجود ہیں سب کو حاضر ہونے کا وقت دیا جائے۔ جناب نے وفد کے آنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور رقعہ کے جواب میں لکھا۔

اگر جناب میرا آغا صاحب اس نہج سے آپ کے التماس کو قبول فرمائیں کہ حتماً انشاء اللہ واسطے نماز یومیہ ہر روز سوائے روز جمعہ مسجد تحسین میں تشریف لا کے نماز جماعت پڑھایا کریں اور مومنین کو وعظ فرمائیں تو مجھ کو کوئی عذر نہیں بلکہ یہ امر نہایت مناسب اور بہتر ہوگا۔ مناسب ہوگا کہ آپ ان کی خدمت میں خود فرمائیں اور حقیر کی جانب سے التماس کریں کہ اگر بلا تردد اس امر کو نہج مرقوم قبول فرمائیں گے تو جناب ابو صاحب کو اجازت الہ آباد تشریف لے جانے کی دے سکوں گا والا معذور ہوں۔

والعذر عند کرام الناس مقبول عماد العلماء نے مسجد تحسین کی امامت منظور کی اور اہل الہ آباد اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ دعوت دہندگان کی پر خلوص تحریک میں خدا نے وہ پابندگی عطا کی۔ جناب سید ابوصاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ تاحیات الہ آباد جاتے رہے ان کی رحلت کے بعد ان کی اولاد و اخداد کی تین پشت سے تبلیغ جاری ہے اور اب تک برکات قطع نہیں ہوئے۔ دریا آباد کا نام فردوس مکان کے بحر کرم نے مشہور کیا۔ اب نہ ویسے دریا دل رئیس ہیں، نہ

عالم بقر، ملت کی کشتی مجدہاں میں ڈوب رہی ہے، اگر بیڑا پار ہو سکتا ہے تو جزیرہ خضر کا تاجدار قوم کو گرداب فنا سے نکالے ایسا نہیں ہے کہ ”ملاح در چین و کشتی در فرنگ“ وہ رگ گردن سے قریب ہیں اور مادیت کے بہاؤ میں ہم فنا کے گھاٹ پہنچائے نہیں جاسکتے وَاِثْمَ النَّجْوٰی یَلْتَقِیَانِ ابھی موجود ہے۔

مقدمہ بلا فصل

سیرت ممدوح میں چند مفسدہ پرداز مسلمانوں کا مومنین ڈالی گنج پار سے تصادم وہ اہم ترین واقعہ ہے جس نے رفتہ رفتہ پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور مسلمانان لکھنؤ کے لئے یہ باہمی جنگ حد درجہ تباہ کن تھی۔ اس فرقہ وارانہ فساد کا پورا حال جناب کی بسیط سوانح حیات ”کتاب کریم فی ترجمۃ ابراہیم“ میں ناچیز مولف نے لکھا ہے اور اس خطی کتاب سے جو چھپنے نہیں پائی ریاضی جنتری ۱۹۳۱ء میں ضروری اقتباسات مرتب کر کے خود احقر نے شائع کئے۔ اس کا خلاصہ اس سیرت میں درج کیا جاتا ہے۔ لکھنؤ جب شیعیت کا مرکز اور فقہ جعفری کے فروغ کی پر شکوہ منزل تھا۔ رعایا پرور نواب اور پھر سلاطین اودھ نے ہر مذہب کو رو اسم دینی میں آزاد کر رکھا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں عام مسلمانوں میں عظیم بے چینی اور فوج کا خلفشار جس کو انگریز بغاوت کی لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کارٹوس کے جائز الاستعمال ہونے یا نہ ہونے ہی کے سلسلے میں شروع ہو کر صوبہ کے چپہ چپہ میں اختلاف کی آگ مشتعل ہو کر خونریزی کی صورت میں تبدیل ہوئی اور ملکہ و کٹوریہ آنجہانی نے اپنے اعلان عام مورخہ یکم

نومبر ۱۸۵۸ء میں اقرار کیا کہ قوانین وقت کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ کسی کا مذہب ترک کرایا جائے۔

فتنہ پرور اور مفسدہ پرداز عنصر ہمیشہ ہر قوم میں رہا کرتا ہے جو کبھی تو مقتضائے طبیعت سے نیش زنی اور کبھی فکر اقتدار میں امن کو برباد کرتا ہے۔ اس تنگ نظر طبقہ کی طرف سے پہلے تو اذان کے وقت دھنیا مہری کی مسجد واقع مولوی گنج میں بلوہ ہوا، پھر خاص چوک میں بساطیوں کی مسجد پر آثار فساد نمایاں ہوئے شہر کے سنجیدہ اور پڑھ لکھے طبقے میں زور پکڑنے نہیں پایا۔ ہمیشہ مسلمان متحد اور شیر و شکر تھے۔ اس ناکامی پر تخریب پیدا کرنے والے عنصر نے شہر کے باہر دریائے گومتی کے شمالی حصے میں بانسمنڈی کے نام سے جو علاقہ مشہور ہے ۶ رجب ۱۳۰۶ھ مطابق ۹ مارچ ۱۸۸۹ء کو ظہر کی اذان کے وقت اقلیت پر وہاں کی اکثریت نے دھاوا کر دیا۔ دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے۔ ضمانت چکلہ اور بہترے حوالات میں ماہ صیام کے متبرک ایام تک قید رہے۔ جناب غفران مآب اور ان کی اولاد ہمیشہ مسلم اتحاد کے حامی رہے حسب دفعہ ۱۴۷۱ تعزیرات ہند، ڈبلو۔ ایچ۔ کاب، سٹی مجسٹریٹ کی عدالت سے استغاثہ میں کامیابی نہ ہوئی، انگریز سنی شیعہ اتحاد کہاں دیکھ سکتا تھا احمد حسین، آصف حسین، رضا حسین ولد امداد علی اور معلوم نہیں کتنے بے گناہوں کو چھ مہینہ اور تین مہینہ کی سزائیں ہوئیں۔

۲۱ جون کو کمشنر کی عدالت میں اپیل ہوئی اور ناکامی کے بعد ۱۲ جولائی کو جوڈیشلی میں اپیل ثانی سے بھی انصاف کی توقع نہ ہوئی اور عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا۔

یوروپین حکام نے دادرسی نہ کر کے دریپار کے اس فساد کو وہ اہمیت دے دی کہ قریب تھا کہ پورا شہر میدان جنگ ہو جائے۔ ادھر تو فریق مخالف اس فساد کو ہمہ گیر قرار دینے کی کوشش میں، ادھر بعض جاہ پسند حکام میں حکومت کی چابلوں میں انگریز کے فیصلہ کو حرف آخر تسلیم کرنے پر تلے ہوئے اور اسیروں کے جیل پہنچنے پر جیٹھ بیساکھ کی گرمی ان کو چکی پیسنے میں مجرم اور حق بجانب سمجھنے پر تیار یہ وہ قومی مصیبت تھی جس نے حکومت کے دست تعدی کو سراسر ظلم اور فیصلہ کو کسی عظیم کشت و خون کا پیش خیمہ سمجھنے میں فکر و نظر کا محتاج نہ رکھا، فردوس مکان اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

کرنیل نیوبری اور فردوس مکان

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں پر برا وقت پڑتا ہے تو نئی نئی صورتیں ان کے تنزل و انحطاط کی پیدا ہوتی ہیں اور امن و ارتقاء کا روز مسرت دور ہوتا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ حکام کو کچھ لوگوں نے باور کرایا کہ اذان سے بلا فصل کی لفظ ترک ہو سکتی ہے اور فرقہ امامیہ کی عنان ہدایت شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی طرف سے حذف و اسقاط ہو، تو فسادات فرو ہو جائیں۔ سادہ لوح حاکم نے اس جماعت کے لیڈروں کو امید دلائی کہ ہم مجتہد صاحب سے خواہش کر کے بلا فصل ترک کرا دیں گے۔ یہ منصوبہ بزعم خود ایک ایسا جذبہ رکھتا تھا کہ مخالف کی صدا پر جن کو دلچسپی اصل موضوع سے نہ تھی، وہ بھی سمٹ آئے اور صاحب نے قبلہ و کعبہ کو اپنے بنگلہ پر بلا بھیجا۔ ماہ

صیام کا زمانہ تھا اور جناب کو اس دن کی خبر نہ تھی کہ ان کے بارے میں کوئی یہ رائے قائم کرے گا کہ وہ ارکان مذہب میں ترمیم و تنسیخ کا حق بھی رکھتے ہیں۔ وہ نماز جماعت تلاوت قرآن اور وعظ سے بمشکل وقت نکال کر F. M. Newbery کے بنگلہ فینس پر سوار ہو کے روانہ ہوئے پیدل چلنے والوں کے لئے عقب مسجد تحسین شریعت کدہ سے سول لائن کا راستہ ڈیوڑھی آغا میر کے بڑے پل کے نیچے سے اب تک ہے اور اس موڑ پر اقتدار الدولہ، مختتم الملک نواب مہدی علی خاں ضیغم جنگ کی کوٹھی ہے نواب سرکار فردوس مکان کے مخصوص مقلدین میں اور شہر کی چوٹی پر کے رئیس گرد و پیش کے حالات سے باخبر اچانک قصر وزارت سے ان کی نظر فینس پر پڑی جو شریعت کدہ سے تنہا چلی تھی صرف امیر علی خدمت گار ساتھ تھا اطراف شہر میں انگریز کے فیصلہ سے جوش پھیل چکا تھا۔ قبلہ و کعبہ گھر سے بہت کم برآمد ہوتے تھے جس کی نظر پڑی وہ ساتھ ہولیا۔ شیعہ پبلک میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو اگر گاڑی تیار کرنے کا حکم دیتے تو وقت گذرتا اور پوشاک بدلتے تو دیر ہوتی، کرتہ پہنے ہوئے نکل آئے، بے زین و لجام گھوڑے کی پشت پر بیٹھے اور روانہ ہوئے۔ راہ میں اہل ایمان کا سمندر موجیں مارتا ہوا نظر آیا۔ جناب بنگلہ پر پہنچ چکے تھے۔ ان کی حیرت کی بھی کوئی حد نہ رہی کہ چودھری نصرت علی، اظہر علی وکیل، محمد یعقوب پروپرائیٹر اخبار کارنامہ منشی احتشام علی عاشق جعفر اور دوسرے لیڈر جمع تھے نواب اس میٹنگ کے مدعو شدہ نہ تھے برآمدہ میں ٹھہرے اور سخت لب و لہجہ میں جو گفتگو سنی وہ یہ تھی:

کرنل نیوبری: میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے اس عرصہ میں کوئی رائے قائم کی ہوگی۔

جناب: میری رائے وہی ہے جو پہلی ملاقات میں ظاہر کر چکا ہوں۔

کرنل: کیا ہو جانے والے فساد کے ذمہ دار آپ ہیں؟
جناب: مجھے افسوس ہے کہ واقعہ کی نوعیت پر گورنمنٹ نے غور نہیں کیا ایک مجتہد کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی فریضہ مذہب کو ترک کر دے اور وہ ترک^(۱) بھی ہو جائے۔ میرے مقلدین میں پیشہ ور اور بیچ قوم کے لوگ نہیں ہیں، جو سمجھا دیا جائے، ویسا کہنے لگیں۔ میرا حلقہ اثر تعلیم یافتہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے جو خود اپنے مذہبی فرائض کو اپنی عقل سے سمجھتے ہیں۔

صاحب: ہم تو بلا فصل کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کے ہادیان دین کی توہین ہوتی ہے۔

جناب: میں کہہ چکا ہوں کہ یہ استعمال قدیم الایام سے جاری ہے اور آج یہ رواج پہلی پہل ہوا، نہ اس کو سواد اعظم میں اس سے پہلے اپنے اسلاف کی اہانت کا سبب کہا۔

صاحب: (بات کاٹ کر) ناظم آغا علی خان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا نواب آپ بتائیں کہ یہ رسم کیا ہمیشہ سے جاری ہے؟

(۱) آفرین اس مجاہد اعظم کے جہاد نفس پر جس نے جوابات کو ذاتیات سے بہت دور کیا اور اپنے دل و دماغ اور جذبات پر بھرپور قابو رکھتے ہوئے ملاقات کو میدان مناظرہ نہیں بنایا اور اس نقطہ پر نہیں گئے جو تیرہ سو برس سے زبان و قلم سے زیر بحث رہنے پر بھی نہ سلجھا۔ انھوں نے کتاب الہی انجیل میں تصرفات کا دروازہ نہیں کھولا۔ وہ یہ کہنے پر تیار نہیں ہوئے کہ ہمارا مسلک ہر قرن میں حذف و ایذا سے پاک رہا، تغیر و تبدل نہ شیوہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

آغا علی خان ناظم: حضور میں بوڑھا ہوں۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ اذان میں بلا فصل ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔

جناب: تم دین فروش ہو تمہیں نہیں معلوم کہ اس کا اظہار عین ایمان ہے۔

رئیس مذکور نے انس بن مالک اور سیرت زید بن ارقم کا سہارا لیا تھا وہ اگر صحیح ہوتا تو کچھ اور کہتے چپ ہو گئے۔

اور صاحب نے جناب کو غصہ میں دیکھ کر لہجہ بدلا۔

صاحب: میں آپ سے اگر کوئی چیز مانگتا تو آپ یہ سمجھ کر میری بات رکھ لیتے کہ میں نے مانگا اور آپ نے دیا۔

جناب: آپ کو نہیں معلوم جو چیز دینے کی نہیں ہوتی، وہ نہیں دی جاتی۔ میرا سر حاضر ہے مگر مذہب پر آنچ آنے نہ دوں گا اور گورنمنٹ بھی کسی کے مذہب کو نہ لے گی۔

صاحب نے ان کے مولویوں اور لیڈروں کی طرف رخ کر کے کہا میں سوال کر چکا آپ لوگ مجتہد صاحب کو اپنا باپ سمجھ کر دامن پھیلا کر سوال کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ مجتہد صاحب اپنی اولاد سمجھیں گے۔ آپ کی بات نہ ٹالیں گے۔

حزب مخالف علماء اور دیگر لیڈران اپنی اپنی جگہ سے اٹھے اور جناب کے سامنے دامن پھیلا کر سوال کیا۔ جناب نے فرمایا: ”اگر یہ علماء اذان سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ خارج کر دیں تو میں بلا فصل کو نکال دوں“ یہ تمام سوال و جواب دو گھنٹہ تک جاری رہا اور کرنیل نے یہ دیکھ کر کہ سید العلماء اپنی بات پر باقی ہیں، سختی شروع کی اور ترش ہو کر کہا میں آپ کو دو مہینہ کی مہلت دیتا ہوں اور پہاڑ پر سے

واپس ہو کر خود فیصلہ کروں گا لیکن اس کا لحاظ کیجئے کہ گورنمنٹ کے پاس توپ، بندوق و فوج سب کچھ ہے۔ یہاں تک سلسلہ کلام پہنچا تھا کہ نواب مہدی علی خان بہادر جو برآمدہ میں ٹہل رہے تھے اچانک چلمن اٹھا کر ملاقاتی کمرہ میں داخل ہوئے اور صاحب سے کہا کہ اگر جناب کا بال بیکا ہوا تو ملک میں خون کی ندیاں بہیں گی، میں نے کرتہ کفن سمجھ کر پہنا ہے۔ صاحب سے گفتگو کے بعد جناب سے عرض کیا: ”قبلہ و کعبہ اٹھیں مستقبل کا انتظار کریں گے۔“ جناب پاکی میں سوار ہوئے، نواب گھوڑے پر، ساتھ ساتھ ہزاروں اشخاص کے مجمع میں شریعت کدہ پر واپس ہوئے۔ نیو بری کی اس سخت گفتگو پر پبلک میں جو ہيجان ہوا، وہ جناب کی عظیم المرتبت شخصیت نے خطرہ کی حد تک پہنچنے نہ دیا اور عوام کو اپنے قابو میں رکھتے ہوئے براہ راست ملکہ وکٹوریہ آنجہانی سے اطلاع کا مصمم ارادہ کیا۔ اور اس عزم بالجزم کے ساتھ لندن کے حلقہ اثر میں اپنے دوسرے انگریز دوستوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ تمام حکام آپ کے علمی کمالات کے معترف اور حلقہ بگوش تھے۔

دوسرا خط ایم۔ اے۔ ڈلن کو بھیجا اور حالات دہرائے۔ صاحب موصوف نے ۱۴ فروری ۱۸۸۹ء کی چٹھی میں اپنی معذوری کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ملکہ معظمہ سے نامہ و پیام گورنر جنرل کی وساطت سے ہونا چاہئے۔ گرد و پیش جب سازگار نہ تھا تو یہ طریق کار نفع بخش کہاں ہو سکتا تھا! جناب نے خدا پر بھروسہ کر کے براہ راست ملکہ معظمہ سے احتجاج کیا اس خط و کتابت کو خود جرم قرار دینے

والے طبقہ کے مشورہ کو قبول نہ کیا۔

لکھنؤ کے ایک لاکھ شیعہ امید و بیم میں اپنی روایات کے قائم رکھنے میں آزادی سلب ہو جانے کے غم و غصہ، اطمینان کی سانس لینے سے قاصر، سمندر پار سے انصاف کی لو لگائے ہوئے، زندگی سے ہاتھ دھوئے ہوئے، وقت کے منتظر تھے۔ ملکہ معظمہ کی چٹھی موصول ہوئی۔ لوکل گورنمنٹ کا فیصلہ منسوخ۔ کرنل نیوبری کا لکھنؤ سے تبادلہ۔ بلا فصل کی حسب رواج سابق عام اجازت۔ اسیر رہا کئے جائیں۔

کرنل نیوبری کو اپنے عہدے کا چارج دینے کی نوبت آنے سے پہلے موت کا پیام آیا۔ وہ حرکت قلب رکنے سے مر گئے۔ شہر میں حق کی فتح پر ہر طرف آثار مسرت و ابہتاج۔ مسجدیں چراغاں سے بقیعہ نور نظر آتی تھیں اور مسجد آصفی کا پہلا جمعہ اس انوہ کثیر سے جناب کی اقتدا میں ادا کیا گیا جس کا نمونہ کبھی جمعۃ الوداع میں بھی نظر نہ آیا۔

چالیس سال لکھنؤ کی گلیوں میں اور سڑکوں پر سید العلماء کی اس سعی حاصل کے چرچے ہوتے رہے اور ان کی اولاد و احفاد کو دیکھ کر سن رسیدہ طبقہ جرات و ہمت کا ثنا خواں تھا اور تاریخ تشیع میں یہ خدمت دین آخر تک باقی رہے گی۔

واقعات کو خوف طول میں مختصر کر دیا ہے۔ ریاضی جنتری ۱۹۳۱ء میں اس سے زیادہ شرح و بسط سے تذکرہ ہے۔ اقطاع عالم میں جب ہم ولایت حضرت امیر کا ترانہ اذان میں سنتے ہیں تو دل میں ایک حرارت اور ایمان میں

تازگی محسوس ہوتی ہے، جذبات میں وجد اور محویت کا ایک عالم طاری ہوتا ہے۔

آج برصغیر پاک و ہند میں ایمانی زندگی کے جو نقش و نگار نظر آتے ہیں، انھیں کا فیض تعلیم و تربیت ہے اور انہیں کے مجاہدانہ کارناموں کا ثمر ہے۔ ہم ان کی قوت ایمانی، للہیت، اعتماد علی اللہ کو بھول نہیں سکتے ہم اپنے گھر میں بیٹھ کر اور وطن میں رہ کر بھی زبان کھولنا چاہتے ہیں تو مصلحتیں ہمارا دامن کھینچتی ہیں۔ ایک وہ تھے کہ قدرت کی طرف سے اشارا ہوا جو میرے دین کی مدد کرے گا میں اس کی مدد کروں گا۔ تعمیل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے نہ کسی مصلحت نے دامن پکڑا، نہ کسی رکاوٹ نے ان کا راستہ روکا۔ دنیا نے ان کی عظمت کو ان کے کردار سے مانا۔

اہل دنیا اپنی مسرت اور خوشی کا سامان ہمیشہ اپنے گھر اور وطن کی راحتوں اور آسائشوں میں تلاش کرتے ہیں۔ فردوس مکان نے وطن کی راحتوں کو خیر باد کہا، باپ کی وصیت اور ان کے حج واجب کی ان کی طرف سے ادائیگی کے لئے دیار غیر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ تھی ان کی سفری اور حضری زندگی جو قوم کے لئے نمونہ تھے۔

سفری زندگی

ہیچ کس عزت ندارد در دیار خویشتن

آب تادر گل بود آب ست و در مینا گلاب

یہ وہ باب ہے جس پر جناب کی بسیط سوانح حیات میں زیادہ سے زیادہ بحث کر چکا ہوں اس مختصر تذکرہ میں خلاصہ عرض کرنا ہے۔ جب تک آپ وطن میں رہے، خاندانی

عظمت کے ساتھ شہرت کا دائرہ اتنا وسیع نہ تھا، جتنا عتبات عالیات کے بار بار سفر سے عظمت میں چار چاند لگے۔ بیرون ہند کا سفر اس وقت آج کا ایسا سہل اور آسان نہ تھا۔ پرانی چال کے جہاز، سمندر میں طوفان، عورتوں اور بچوں کا ساتھ، موسم کی سختی، تمام مشکلات کو خندہ جمینی کے ساتھ برداشت کیا۔ سفر حج سے غیر وطنی زندگی کا آغاز ہوا جس میں صرف حاجی میر احمد حسین مرحوم آپ کے رفیق سفر تھے ان کو آپ کے جوار میں رہنے کا شرف اور امام باڑہ کے انتظامات سپرد تھے۔ زیارت بیت اللہ و حرم نبوی نے شوق ثواب کو بڑھایا اور عراق کا سفر اول شعبان ۱۲۹۱ھ میں، دوسرا سفر ۱۲۹۹ھ میں اس وقت کرنیل جیکن روہیل کھنڈ ریلوے کمپنی کے ایجنٹ تھے۔ کمشنر قسمت لکھنؤ اور دوسرے حکام کی تعارفی چٹھیاں اب تک موجود ہیں۔ پہلے سفر میں آپ نے جناب عماد العلماء میر آغا صاحب قبلہ مجتہد کو قائم مقام کیا اور جمعہ و جماعت وہ انجام دیتے رہے۔ مسجد آصفی کا جمعہ اس تعارف کی بناء پر آج تک ان کی نسل میں ہے۔

تیسرا اور آخری سفر ۲ صفر ۱۳۰۵ھ سے شروع ہوا۔ اس مرتبہ آپ نے اپنا قائم مقام بنایا جناب سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ مجتہد کو۔ اس سفر میں ۱۴ نفوس آپ کے عیال و اطفال میں ساتھ تھے۔ چار باغ اسٹیشن پلیٹ فارم نمبر ایک پر نماز ظہرین آپ کی اقتداء میں ہوئی۔ عماد العلماء نے دبی زبان قصر کرنے میں عذر کیا۔ آپ نے اپنی تجویز پر پورا اعتماد کرتے ہوئے نماز پڑھائی مکان مذکور پر نہ اس سے پہلے جماعت ہوئی، نہ آئندہ ہو سکے گی۔ اس وقت کا زمانہ شہر

کی آبادی کو بہت دور ہٹا چکا تھا اور عیش باغ تک میں ویرانہ تھا۔ اب چار باغ آبادی کے اندر اور اس وقت باہر تھا۔ خلیج فارس پہنچ کر وہ عظیم طوفان آیا جس نے مسافروں کو زندگی سے مایوس کر دیا تھا۔ نواب سید اصغر حسین فائر رئیس اعظم نے بھی لکھنؤ کپتان کو پانچ سو روپیہ انعام دینے پر تیار تھے کہ جہاز روک دیا جائے۔ خاک تربت سید الشہداء روحی فدا سپرد آب کرنے پر طوفان رکا اور آپ نے طے کر لیا کہ واپسی بحری راہ سے نہ ہوگی۔ جہاز چھوڑتے وقت آپ کپتان کو ایک معقول رقم بخشش کے طور پر دے رہے تھے جس کے لینے سے اس نے انکار کیا۔ اور آپ سے اپنی ترقی کے لئے تعویذ مانگا۔ برکت تحریر سے وہ مستفید ہو کر اور بڑے عہدے پر پہنچا اور اسلام کی روحانیت کا قائل ہوا۔ امام رضا علیہ التحیۃ والثناء کی زیارت کے بعد چہارہ معصومین کی زیارتیں مکمل ہو جاتی ہیں۔ یہ سفر خشکی کی راہ سے طہران تک پہنچ کر شہزادہ عبدالعظیم پر اقامت عشرہ سے تبدیل ہوا۔ راہ کی منزلوں پر عرب و عجم جوق در جوق اظہار عقیدت کرتے رہے۔ آج کر بلاء کے زائرؤں کا حدود ایران میں پر تپاک خیر مقدم ہوتا ہے، چہ جائے کہ عالم ربانی کا سفر طہران میں داخلہ کے وقت توپوں سے سلامی ہوئی۔ علماء عراق کے خطوط نے ایران میں آپ کو محتاج تعارف نہ رکھا۔ شاہ ایران کا عزم ملاقات معلوم ہوا اور آپ نے انکار کیا، آپ کے میزبان علامہ مرزا فضل اللہ نوری نے سفارش کی اور صرف علمی رشتہ کے استحکام نے اس دعوت نامہ کو قبولیت بخشی۔

قاچار نے کبھی کسی عالم کی دست بوسی نہیں کی تھی۔ گھنٹوں گفتگو رہی اور قدردان شاہ قاچار رخصت کرنے پر تیار نہ تھے۔ مشہد کی واپسی پر دوبارہ باریابی کا وعدہ لیا مگر اس قدر وقت کہاں تھا کہ رجعت قہقہری کرتے۔ ہیرے کی انگوٹھی اور فرمان شاہی ساتھ کیا جس کا بلاک (عکس) آپ نے دیکھا۔ طہران کے اخبار نے آپ کی آمد کو حسب ذیل مقالہ میں شائع کیا۔

نقل اخبار ”ایران“، کیا سی برس کا پرانا اخبار

دار الخلافہ ناصری

جناب سید الفقہاء والمجتہدین آقا سید ابراہیم مجتہد ہندوستان سلمہ اللہ تعالیٰ کہ از علماء شیعہ و رئیس و میر سلسلہ سادات عالی درجات نصیر آباد لکھنؤ ہستند کہ نژاد قدس نہاد این سلسلہ جلیلہ مرحوم حجة الاسلام سید دلدار علی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ، میر سد کہ ریاست دینیہ فرقہ اثنی عشریہ در تمام ممالک فسیح الممالک ہندوستان بہ خانوادہ ایشان اختصاص داشتہ و دارد و خود جناب ایشان طرف دولت بہیہ انگلش ملقب بہ شمس العلماء ببعض امتیازات جلیلہ دیگر نیز مخصوص ہستند دریں اوقات بعد از ادراک فیوض زیارات عتبات عالیات خوش درجات آئمہ عراق صلوات اللہ علیہم اجمعین بعزم زیارت مشہد مقدس و روضہ مطہر رضویہ زادہا اللہ شرفا بایران و دار الخلافہ طہران تشریف آوردہ از طرف دولت

و ملت و علماء اعلام و رجال در بار کافہ اہالی دار الخلافہ مراسم پذیرائی و اعزاز و تکریم جناب ایشان کاملاً بعمل آمد و مخصوصاً بحضور مہر ظہور بندگان اعلیٰ حضرت شہنشاہی نائل و تفقدات و تلطفات و تکریمات خاصہ ملوکانہ بشمول و مخصوص گردیدہ یک انگشتی الماس۔ ممتاز نیز از طرف قرین الشرف ہمایوں برائے ایشان اہداء گردید و تقریباً یک دو ہفتہ بصوب خراسان حرکت کردند۔

(اخبار ایران شہرہ شش صد و شصت و یکم مورخہ نیم ذیقعدہ ۱۳۰۵ھ روز پنجشنبہ)

اصل اشاعت کے بعد جن نمبروں میں تذکرہ تھا وہ تلف ہو گئے۔

شاہ کی بارگاہ سے سلطان العلماء^(۱) کا خطاب بھی بعض مصادر سے پایا جاتا ہے۔ دس دن کے قیام طہران میں شاہی اطباء طبی مدد کے لئے متعین ہوئے اور آقا شیخ مصطفیٰ کی سرکردگی میں ۱۲ مسلح سوار حفاظت کے لئے ساتھ

(۱) مولوی سید ثار حسین صاحب عظیم آبادی نے اپنے مجموعہ اجازات میں آپ کے دیئے ہوئے اجازہ سے قبل استاد کے انتخاب میں لکھا ہے کہ وہ جس کو حکومت اودھ سے سید العلماء کا خطاب اور حکومت انگلشیہ سے شمس العلماء اور حکومت ایران سے سلطان العلماء کا لقب ملا اور ذاکر حسین یاس نے آپ کی تاریخ میں ایران سے خطاب حجۃ الاسلام کا اظہار اس شعر میں کیا ہے۔

تھا خطاب ان کا سید العلماء
تھی یہ شاہوں میں عزت و تکریم
ہوئے ایراں میں حجۃ الاسلام
واں کے سلطان نے کی یہ کچھ تعظیم

ہوئے سرحد اسلام سے عالم تشیع میں مرور روح افزا تھا، مگر یہ ارادہ کہ واپس براہ کابل ہو تشیع فکر تھا۔ ہر مشورہ دینے والا اس مراجعت کو خطرہ سے خالی نہ سمجھتا تھا۔ عصبیت کی گھنگھور گھٹاؤں سے گذرنا آسان نہ تھا مگر جس خدا نے قزاقوں سے بچایا، بدوؤں سے حفاظت کی، وہ انجام سفر میں مددگار ہوگا سبزواری اپنے آبائی وطن پہنچے۔ شہرستان سے گذرے، دالی خراسان نے ہز محبشی امیر عبدالرحمن خان کو ہرکارے کے ذریعہ آپ کے ورود کی اطلاع کی تھی۔ حدود کابل میں داخل ہو کر ایرانی سوار رخصت اور حکومت افغان سے ۸ سوار مسلح حفاظت میں ساتھ ہوئے۔ ہرات میں آٹھ روز، قندھار میں چار دن قیام، شاہ افغانستان کے شوق لقاء پر اس سے عدیم الفرستی کا عذر کرتے ہوئے حدود وطن سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ کابل کی راجدھانی راہ میں نہ تھی۔ اس لئے عذر حکومت کو معقول معلوم ہوا۔ چمن سے گذر کر قدیم ہندوستان میں داخلہ اور غیر ملکی سفر تمام ہوا تمام سامان سفر از قسم تخت روان و شامیانہ وغیرہ فاتر چپوں اور شتر بانوں کو ہبہ کر دیا ہمال حیرت سے دیکھتے تھے کہ یہ کیسے سیر چشم مسافر ہیں جن کو اثاثہ کی مطلق قدر نہیں بخشش نقد اس کے علاوہ تھے ان کا تصور یہ تھا کہ سرحد پر پہنچ کر سامان ہر تاج (نیلام) ہوگا۔ اور ہم سستے داموں پر خریدیں گے۔

اس لطف و کرم کے بعد بھی آپ اور رفقاء سفر دیار حبیب کے باشندوں سے ان کا حق خدمت ادا نہ کر سکنے پر شرمندہ تھے اور ۔

”کر کے رخصت ان کو تا حد نظر دیکھا کئے“

اس سفر^(۱) کی روانگی اور واپسی میں جناب کو ان کے بے شمار مخلصین نے مجبور کیا کہ وہ راستہ کی شیعہ آبادی کو اپنے قدم سے سرفراز کریں۔ سکھر، ریوری، ملتان، لاہور، سہارنپور وغیرہ کے اہل ایمان نے اپنے ایمانی تاجدار کا جس خلوص و انہماک سے استقبال کیا وہ تاریخ شیعہ کا ایک سنہرا باب ہے۔ سہارنپور کے سادات نے رڑکی تک پہنچ کر پیشوائی کی اور باقتدار سادات نے اپنے کاندھوں پر فینیس اٹھائی۔ یہ وہ منظر تھا جو قوم شیعہ کے احساس اور فرض شناسی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ ملتان میں بھی وہاں کے سرمایہ داروں نے جناب کی پاکی اپنے کاندھوں پر اٹھائی اور عملاً بتا دیا کہ علم پرستی شیعہ قوم کے خصوصیات میں داخل ہے۔ یہ عام علمی سطح کی بلندی تھی اور جناب نے خاص طور پر اپنے مقدس ہاتھوں سے وہاں ایک کتب خانہ کی بنیاد قائم کی اور علم و حکمت کی تجلیات سے ملتان جگمگا اٹھا۔ یہ کتب خانہ ملتان کے رئیس اعظم ناصر الدین کی زیر نگرانی رہا اور اب شاہ صاحب موصوف کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔“

الملک اللہ
السلطان بن السلطان
ناصر الدین شاہ قاجار

نقل فرمان شاہی

جناب مستطاب قدسی نصاب کروبی انتساب افتخار المجتہدین، ثقہ الاسلام و المسلمین، نور سلالہ دودمان مصطفوی، نور حدیقہ مرتضوی، منبع علم، رہبر فضائل، جامع محامد تقویٰ و خصائل، حاجی سید محمد ابراہیم (۱) مقالہ مندرجہ فہرست کتب جمعیت خدام عزاء نوشتہ رئیس الخطباء نواب سید محمود علی خان مرحوم آف کانپور طبع صفدر پریس ۱۹۴۹ء لکھنؤ۔

میں اشرفیوں کا ڈھیر تو نہ یاد رہا، نہ باقی رہا طہران کے سانکوں کی جیب میں پہنچا ہیرے کی انگوٹھی ورثہ نے تقسیم کی مگر فرمان شاہی آج تک خاندان کے آثار قدیمہ میں باقی اور شاہ کی قدر افزائی کی یادگار محفوظ ہے۔

وفات

کیا خبر تھی کہ یہ باغ و بہار ۴۸ سال کی عمر میں خزاں سے دو چار ہونے والا ہے۔ ملی خدمات نے آپ کو ایک لمحہ کے لئے آرام سے رہنے نہ دیا اور مختلف امراض کا حملہ ہوا ایک علم دوست شاعر نے اپنی مثنوی میں کہا ہے

گو ابھی چالیس کا بھی سن نہیں^(۱)

عالم و فاضل مگر ہیں خوشہ چیں

زہد و تقویٰ آپ کا ہے لا بیاں

قد خمیدہ ضعف غالب ناتواں

گر نہ ہوتے اس زمانہ میں جناب

ضعف اس ملت کو ہو جاتا شباب

جسمانی کمزوری نے ضعف صدور پر یہ کو خطرناک بنادیا۔ فیملی ڈاکٹر ناصر علی اور حکیم شیخ علی محمد تھے۔ آخر میں شہر کے دوسرے نامور طبیب حکیم حیدر حسین نے بچکی دور ہونے کے لئے پرتاؤس تجویز کیا اور اپنے لئے جائز الاستعمال نہ سمجھ کر انکار کیا اور ۲۰ جمادی الاول ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۸۹۰ء عصر کے وقت کلمہ طیبہ پڑھ کر اشارے سے پسماندگان کو رخصت کیا اور خوشی سے موت کا شکار ہو گئے۔ کتنی آنکھوں کو اشکبار کیا، کتنے چہروں کو اداس کیا۔

(۱) مثنوی زاد آخرت، مولوی محمد حسن

لکھناپوری دام افصالہ بتائیدات سبحانی
وتوفیقات صمدانی موید وموفق باد۔ از انجا کہ
صدور علماء راسخین مخزن اسرار عین الیقین
قلوب سلاطین فروردین مقناطیس آن مخزن ثمین
وطالب وجاذب وجالب ان حزیبة عروۃ اللہ الوثقی
وحبل اللہ المتین می باشد وما بین این طالب
ومطلوب وجاذب ومجذوب ویک مواقعه معنوی
ومعارفہ سری وتحقیقی من جانب اللہ المتعال بہ
قرار لا یزال بردوام واستوار است کہ در ظاہر
وصورت فی مابین باشد در باطن وحقیقت بقدر
طرفۃ العین نباشد بہترین بریان این بیان قرین
الاتقان عزیمت باسعادت انجناب بخطہ ایران ورود
بدار الخلافۃ طہران حُفَّتْ بِالْأَمْنِ وَالْأَمَانِ وَحَضُورِ
ملاقات بانجناب شریعت مآب کہ بمجرد وتلافی
قلب ما منشرح وابواب فتوح مفتوح گردید کان لم
یکن بینا بون بعید درین موقع ہر کہ عنایت عزیمت را
بزیارت منعطف داشتہ وگوہر ہائے گرانہائے اثر
جلیلیہ خود را نزد ما یادگار گذاشتہ آید ما نیز
خصوصی یک حلقہ انگشتی الماس برسم تحفہ
بانجناب تودیع واہداء نمودم کہ ہموارہ مارا در
خاطر حاضر داشتہ در مکان استجابت دعوات
فراموش ننمود ہموار مستعد دارین باشد فی شہر
شوال ۱۳۰۵ھ

آٹھ گھوڑوں کی گاڑی پر جناب کا قصر شاہی سے
جانا اور توپوں کی سلامی، وزیر سلطنت کی طرف سے طشت

کی طرف سے تقاریب تعزیت میں پڑھے گئے جو قطعات ورثہ میں محفوظ رکھ سکے دو محسنین سید زوار حسین طرّار سید ذاکر حسین یاس حکیم میرضامن علی جلال حضرت کامل کی تاریخیں ایک ادبی ذخیرہ ہے اور کامل ہی کا قطعہ سنگ مزار لوح قبر میں کندہ ہے جس کا یہ مصرعہ ہے ۔

کعبہ دیں را چہ رکنے قائمے از پافقاد

۱۳۰۷ھ

یہ تاریخ جناب کے تذکرہ حیات فردوس مکان میں طبع ہو چکی اس لئے دوسرے صاحب کمال، جلال مرحوم کی تاریخ پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

بعد مرگ از حق تعالیٰ خواستند
چوں جناب سید ابراہیم خلد
حق بر آورد آرزویش زود تر
شد قدم بوسش بصد تکریم خلد
خیر مقدم گفته سوئے او دوید
کرد بر رضواں دریں تقدیم خلد
رسم استقبال طوبیٰ کرد ادا
گشت آمادہ پیئے تعظیم خلد
گشت اشجارش دو تا بہر سلام
خم نمود اینان سر تسلیم خلد
سال مرگش زد رقم کلک جلال
شد چو کعبہ جائے ابراہیم خلد
۱۹۹۷ء

(۲) شمس العلماء اگر برفت ایدل (۱۳۰۷ھ)

بظاہر دنیا سے ناپید ہو گئے اور اپنی خوبیاں اپنے ساتھ لے گئے لیکن ملک کے چپہ چپہ کو اپنے نقوش ہدایت پر گواہ بنایا۔ دریا پر غسل ہوا خلقت کے ہجوم میں تابوت عقب مسجد تحسین صحن امام باڑہ میں آیا۔ اولاد نابالغ ہونے سے حسب وصیت جناب مولانا سید ابوالحسن عرف ابو صاحب قبلہ مرحوم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شیعیت کا موجزن سمندر باغ ممتاز العلماء میں سمٹ آیا تھا۔ اس اشکبار قوم کے جھرمٹ نالہ وشیون آہ و بکا میں اپنے والد علام ممتاز العلماء کے پائیں پاسپرد خاک ہوئے۔ فن کے وقت تمام مشاہیر علماء مختلف انجمنوں کے وکلاء موجود تھے مرجعیت^(۱) انام کا یہ اثر تھا کہ وفات پر شیعہ دنیا کی تمام جماعتیں اور انجمنیں مدتوں نوحہ گاہ بنی رہیں۔ بیشمار جلسوں کے پریسڈینٹ مرثیہ خوان رہے، صد ہا درس گاہوں میں عرصہ دراز تک صف ماتم بپا رہی اور تقریباً تمام اخباروں اور رسالوں کے کالم ہفتوں، مہینوں، بلکہ برسوں تک ان کے تعزیتی نوٹس کے لئے وقف رہے۔

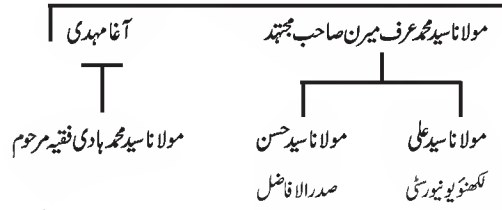
سرکار مرحوم نے وفات کے وقت اولاد نرینہ میں چار نابالغ صاحبزادے چھوڑے اکابر خاندان کی تجویز سے تیسرے دن مجلس سوئم میں خلف اکبر مولانا سید محمد تقی کو جن کی تکمیل تحصیل علم میں کچھ وقت باقی تھا قائم مقام کیا اور شاہزادگان اودھ کی طرف سے خلعت تعزیت آیا، کتب خانہ اور تمام موقوفات کے آپ متولی قرار پائے۔

قطعات تاریخ

بکثرت تاریخوں جو مجالس سوئم وچہلم اور اہل شہر

(۱) ہر سہ طور ماخوذ ہیں

آخری فرد مولانا سید ثاقب حسین صاحب امر و ہوی پروفیسر جو بمبئی کالج موجود ہیں جو شہر میں محتاج تعارف نہیں اور کثرت سے ان کے شاگرد پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اولاد و احفاد جو علمی دنیا میں متعارف ہے یہ ہے:



(۲) استاد الواعظین حجتہ الاسلام مولانا سید ابوالحسن صاحب قبلہ مجتہد العصر جن کے ہاتھ میں مرکز تبلیغ مدرستہ الواعظین لکھنؤ کی عنان تعلیم آخر تک رہی اور ادارہ سے جتنے مقرر تکمیل نصاب کر کے رشد و ہدایت کی منزل پر آئے وہ آپ کے علوم و کمالات کا آئینہ تھے۔

ولادت آپ کی ۲۹ صفر ۱۲۹۹ھ والد علام کے سفر عراق کے سلسلے میں عروس البلاد بمبئی میں ہوئی اور جناب فرماتے تھے کہ یہ فرزند اپنے تالیفات میں ”بمبئی مولد“ لکھے گا۔ آپ رحلت فردوس مکان کے وقت بہت کم سن اور یتیم کہے جانے کے قابل تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی حسن علی^(۱) صاحب مرحوم اور اپنے برادر بزرگ سے ہوئی یہاں تک کہ درجہ فضیلت پر پہنچے اور پہلا اجازہ بھائی سے حاصل کیا اور ذکر میں والد علام ہی نے تیار کیا۔ وہ خود ذکر نہ تھے اور سوائے مسجد تحسین پر موعظہ کے مجالس نہیں پڑھیں، مگر اساس خطابت اچھی طرح جانتے تھے چھوٹے بھائی کی

(۱) مکان سید العلماء کے شرقی حصہ میں ان کی مقدس قبر موجود ہے۔

- (۳) اثنا عشری پختی - ابراہیم (۱۳۰۷)
- (۴) ہست پڑ مردہ گل گلزار ابراہیم وائے (۱۳۰۷)
- (۵) بے خلیل اللہ شد کعبہ اسلام ہائے (۱۳۰۷)
- (۶) بمرہ مجتہد العصر و کعبہ دین آہ (۱۳۰۷)
- (۷) زندہ افسوس رکن افتاد از ارکان دیں (۱۳۰۷)
- (۸) کرد پایاں لقی کوچ و قیام ابراہیم (۱۳۰۷)
- (۹) ہائے آباد قبر ہوئی اور ویراں مقام ابراہیم (۱۳۰۷)

اولاد

لَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

فردوس مکان نے اپنی زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں دو عقد اور کئے جن کی مجموعی نسل سے کئی صاحبزادہ صاحبزادیاں چھوڑیں طول کے ڈر میں صرف آپ کی علمی ذریت پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) مولانا سید محمد تقی فردوس مقام جن کا زہد و تقویٰ گوشہ نشینی امور دین میں سختی، مشہور ہے جو رحلت کے وقت پورے پندرہ برس کے نہ تھے اس لئے جانشینی کے منصب پر حیات پدر میں فائز ہونے کے بجائے اوقاف اولاً عماد العلماء کے سپرد ہوئے، پھر جناب سید ابو صاحب قبلہ مجتہد کو قائم مقام کیا اور نابالغ تک امور دین منتقل نہیں ہوئے۔ مدوح کی مختصر سوانح حیات ”تذکرۃ المتقین“ عرصہ ہوا لکھنؤ سے نشر ہو چکی۔ اس لئے زیادہ بحث کی ضرورت تحصیل حاصل ہے آپ کے تالیفات میرے کتب خانہ میں فضل ایزدی سے کل موجود ہیں۔ اعیان شہر اور علماء خاندان نے خلف اکبر کی صلاحیتیں دیکھ کر انھیں کو مسند علم پر پہنچایا۔ ان کے تلامذہ کی

میر العقول ذہانت اور بڑھتی ہوئی علمی نشوونما نے اصلاح سے مستثنیٰ کر کے مرحوم کے سامنے مجالس عشرہ امام باڑہ ممتاز العلماء کے درجہ ”خاتم“ تک پہنچایا۔ عم معظم کی تکمیل حجتہ الاسلام سید سبط حسین صاحب قبلہ اور بحر العلوم سید محمد حسین عرف علن صاحب قبلہ کی مجلس درس سے ہوئی اور ۲۷ صفر ۱۳۲۷ھ کو عراق روانہ ہوئے۔ پنج سالہ جدوجہد کے بعد واپس ہو کر وطن میں اپنی فقاہت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ میں نے چچا جان اعلیٰ اللہ مقامہ کی زندگی کے کتنے علمی معرکہ ”سفینہ حیات“ میں جا بجا سپرد قلم کئے ہیں اور کتاب مذکور میں ۲۳۹ سطریں میرے قلم سے نذر قراطس ہو چکی ہیں۔ ۲۹ ربیعہ ۱۳۵۵ھ کو رحلت فرمائی عمر ۵۶ سال حسب ذیل اولاد:

سید العلماء سید علی نقی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
مولوی سید مرتضیٰ مجتہد، مدرس مدرسہ ناظمیہ
مولوی سید کاظم مجتہد، مقیم ایران
مولوی سید باقر، نجف میں تکمیل کر رہے ہیں
عبدالحسین، ممتاز الافاضل، لکھنؤ

مشاہیر تلامذہ

لا تعداد شاگردوں میں حسب ذیل مشاہیر اہل علم کے نام ملاحظہ ہوں:

(۱) مولانا سید ظفر مہدی صاحب مدیر ماہنامہ سہیل یمن، لکھنؤ التوفی ۱۳۶۷ھ (۲) مولانا سید محمد عمید صاحب قبلہ (۳) مولانا عبدالحسین صاحب مرحوم پروفیسر معقولات جامعہ سلطانیہ (۴) عمدۃ العلماء سید کلب حسین

مرحوم ومغفور التوفی ۱۳۸۳ھ (۵) استاذ الواعظین مولانا سید عدیل اختر مرحوم ومغفور التوفی ۱۹۵۱ھ (۶) علامہ حافظ کفایت حسین دام عزہ لاہور (۷) مولانا سید انیس الحسن صاحب دام مجدہ، مقیم کراچی (۸) مولانا سید خورشید حسین صاحب قبلہ، آپ مقام گیا، (بھارت) میں خدمات دینی انجام دے رہے ہیں۔ (۹) مولانا سلطان علی صاحب قبلہ امام جمعہ کھدادر کراچی (۱۰) مولانا سید مسرور حسین صاحب مرحوم امرہوی (۱۱) مولانا سید اعجاز حسین صاحب ڈاکٹر ملا فاضل ڈھاکہ (۱۲) مولانا سید محمد مہدی صاحب واعظ زید پور (۱۳) مولانا محمد بشیر صاحب قبلہ ٹیکسلا (۱۴) مولانا لقاعلی صاحب حیدری مرحوم بدایونی التوفی ۱۳۸۴ھ (۱۵) پنڈت نیک رام صاحب مرحوم ومغفور (۱۶) مولانا مرزا یوسف حسین صاحب واعظ میانوالی۔

(۳) علامہ ہندی مولانا سید احمد صاحب قبلہ مرحوم آپ کی والدہ فردوس مکان کی زوجہ ثانیہ تھیں۔ اس لحاظ سے آپ مرقومہ بالا بھائیوں میں مختلف البطن اور سن وسال میں منجھلے بھائی تھے ابتدائی تلمذ بڑے بھائی سے حاصل کیا اور دوسرے اکابر خاندان سے تعلیم پائی قومی اور قلمی و طبی خدمات اور سیاسی منزلوں میں بھی قدم رکھا۔ ملت مسلمہ نے حکیم الامہ اور پھر علامہ ہندی کی لفظ سے یاد کیا۔ متعدد کتابیں اور بکثرت چھپے ہوئے مقالات اُن کی قوت قلم پر گواہ ہیں۔ جوان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی، ورثہ تھا۔ آپ ان چند شخصیتوں میں ہیں جنہوں نے ملت جعفری میں ملکی آزادی کا بیڑا اٹھایا۔ اور عقل و دماغ سے کانگریس کو مدد

نساء کی آیات تک پہنچ کر پیام موت نے قطع کیا قلمی جہاد کا آغاز اس طرح ہے۔

- (۱) امل امل نواب شفاء الدولہ بہادر کے سوالات کا استدلالی جواب جس کو دیکھ کر علماء عراق نے اجازے دیئے۔
- (۲) بضاعت مر حقا: آپ کی پہلی تصنیف ہے جس پر بزرگوں نے گراں قدر تقاریط سے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔
- (۳) بارقہ ضیغمیہ: مجھے مطالعہ کا وقت نہیں ملا، شاید اثبات متعہ میں قلم فرسائی ہے۔

(۴) نور الابصار فی اخذ الثار: مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کی شخصیت اور ان کے کارنامے سلیس فارسی زبان میں ۱۶۸ صفحات مطبع کارنامہ لکھنؤ سے نشر ہوئی جس کا علمی مباحث سے قطع نظر کر کے اردو ترجمہ کیا۔ حاتم علی مہر نے اور ذاب انتقام نام رکھا مختار پر زبان و قلم سے آج جو کچھ کہا جاتا ہے اس کے افسانہ ہونے کی تصریح ہمارے علماء نے کی ہے معتبر حالات اس گراں قدر تالیف میں محدود ہیں۔

- (۵) یواقیت الدرر فی التماثل والصور: تصویر کشی کی بحث میں معرکہ آرا تصنیف حجت الاسلام آقا سید ابوالقاسم طباطبائی کے اجازہ میں ذکر ہے۔ یہ قلمی جدوجہد جناب ممتاز العلماء یعنی اپنے والد ماجد کی حیات میں ہوئی۔
- (۶) شمعۃ فی احکام الجمعة: نماز جمعہ پر آپ کی فقیہانہ عربی تصنیف جس کو اپنے والد علام کے بعد سپرد قلم کیا۔

اور سفر ایران میں۔ اس کا نام لمعہ ناصریہ رکھ کر ناصر الدین شاہ قاجار کے نام پر معنون کیا دونوں نسخے سونا چڑھے ہوئے جدول اور لوح کے ساتھ مکتبہ ممتاز العلماء میں موجود

پہنچائی وہ جوش ملی میں اسٹیج پر سحر بیاں مقرر تھے اور غلامی کے خلاف رعد کی طرح گرجتے اور ابر کی طرح برستے تھے۔

حنا پوسٹ آفس چوک لکھنؤ کے پوسٹ ماسٹر نے کلکتہ کے اسٹیج پر ۱۹۲۰ء میں ابوالکلام آزاد کی تقریر کے ساتھ ان کی گھن گرج تقریر سنی اور تاحیات کیف گفتگو یاد رکھا۔ پاکستان کا تصور ان کے دماغ میں تھا۔ کلکتہ ہی سے جیل جانے کی خبر بھی لکھنؤ آئی تھی جسے میں پایہ تصدیق تک پہنچا نہیں سکا۔

اولاد نے نہ ان کے مقالات کو یکجا کیا، نہ کتابیں شمار کیں، نہ شاگردوں کا پتہ ان کو معلوم تھا۔ آپ کی زندگی کے ابتدائی کارناموں میں لکھنؤ کے چہلم کا التواء ہے۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب مرجعیت دوسرے حضرات کے ہاتھ میں تھی اور آخر میں اچھوت کانفرنس بمقام مقبرہ شیر جنگ لکھنؤ نمایاں خدمت اسلام ہے میرے ذاتی علم میں ان کے شاگرد رشید مولانا سید مظفر حسین صاحب محدث مصحح مطبع نول کشور تھے جس کی ذاکری جوینپور کے ممبر پر بڑی نمایاں اور تحقیقی تھی۔ مولانا سید فضل علی دکنی واعظ کی تبلیغی تقریریں اور لکھنؤ میں غیر معمولی فروغ ان کی دامادی اور تعاون سے تھا۔ آخری شاگرد لکھنؤ میں مولانا سید حیدر حسین صاحب نکہت ہیں جو عام فہم اردو میں تفسیر قرآن لکھ رہے تھے اور میرے علم میں سورہ کہف تک ان کا قلم پہنچا تھا۔

تصنیفات

۴۸ سال کی مختصر عمر میں سفر، قومیات، مسائل دستخط کرنے کے بعد جو وقت بچا وہ میدان تالیف کی راہ روی میں گذرا اور ضخیم ترین کتب تفسیر قرآن کا مکملہ ہے جو سورہ

ہیں۔ علماء عراق و ایران نے آپ کی اس تصنیف کا اپنے اجازوں میں ذکر کیا ہے۔

(۷) تفسیر ظل ممدود: یہ تفسیر آپ نے اپنے والد علام کی معرکہ آرا تصنیف ینابیع الانوار کی تیسری جلد پر قلم اٹھانے سے پہلے مشق تحریر میں نذر قرطاس کی سورہ ہود سورہ کہف، سورہ یوسف اور بعض دوسری آیتوں پر تحقیقی اور عالمانہ بحث کی ہے یہ صحیفہ متبرکہ مکتبہ ممتاز العلماء میں بھی نہیں ہے۔ صرف میرے پاس اصلی مسودہ کی صورت میں موجود ہے جو کہ ایک ضخیم کتاب ہے۔

(۸) خطبات جمعہ و عیدین: یہ عربی ادب کا وہ گرانقدر ذخیرہ ہے جو زیادہ تر نج البلاغہ سے ماخوذ ہے اور کلام امام کو مناسب وقت استعمال کرنے میں اپنی اعلیٰ قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔

(۹) تفسیر ینابیع الانوار: جلد سوئم کسی بڑی تالیف و تصنیف کا تکملہ یا اس کی بقیہ جلدیں لکھنے میں مصنف کا فرزند یا شاگرد ہونا لازم نہیں، اس بات کا خاص لحاظ ہونا ضروری ہے کہ اسلوب تحریر اور انداز استدلال نہ بدلے جس نہج پر پہلا مصنف اجمال یا تشریح کا عادی ہو وہی طرز نگارش باقی رہے، مجملات کی جگہ بسط یا اس کا عکس معیار سے گرا دے گا اور نظر باز کہہ دیں گے کہ فلاں مقام سے دوسرا قلم ہے۔ فخر الدین رازی کی تفسیر شروع سے آخر تک انداز تحریر واحد ہے مگر اہل نظر کی صراحت ہے کہ اس کی تکمیل نجم الدین احمد کی قوی کے قلم سے ہوئی ہے۔

تیسرا فرض تکمیل میں قلم اٹھانے والے کا یہ ہے کہ

پوری کتاب اول سے آخر تک پڑھ چکا ہو۔ مصنف اول نے جو وعدے آگے چل کر کسی بحث میں تبصرہ پر کئے ہیں، ان کا لحاظ رہے ورنہ شان میں فرق آئے گا فردوس مکان کے لئے گونا گوں مصروفیت میں باپ کی دو ضخیم جلدوں کا پڑھ لینا ہے کارے دارد کا مصداق تھا، اس کے بعد قلم اٹھانا مدت کی ریاضت اور مہینوں راتوں کے جاگنے پر جہاد اکبر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر کے بعد ان کی کسی مستقل تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔

(۱۰) مواعظ ماہ صیام تحسین کی مسجد پر بعد عصر کے مواعظ عربی میں قصص الانبیاء و سیرت معصومین پر مشتمل وہ ذخیرہ ہے جو اپنی نوعیت میں خصوصی حیثیت رکھتا ہے۔

(۱۱) کتاب المسائل فقہی احکام کا وہ مجموعہ ہے جو جناب کے دست مبارک کا تحریر کردہ ہے اور شان ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ تمام مسائل نہیں ہیں جو اپنے مقامی و غیر مقامی استفسارات کے جواب کی صورت میں تاحیات لکھے۔ خاص سوالات کے علاوہ اکثر جواب طلب امور پر مولانا باقر حسین صاحب مرحوم قلم اٹھاتے تھے اور مہر آپ کی ہوتی تھی مولانا موصوف کا حال تلامذہ حضرت ممتاز العلماء کے ذیل میں احیاء الآثار کے صفحات پر ملاحظہ کیجئے۔

یہ سوالات و جوابات اگر کیجا ہوتے تو کئی ضخیم جلدیں فقہ جعفری میں تیار ہو جاتیں۔ یہ جواہر پارے اس زمانہ کے اہل فضل کے جیب و دامن میں رہ گئے۔ تلامذہ خاندان اجتہاد کی ایک نمایاں فرد مولانا سید تصدق حسین صاحب مرحوم کفوری، رحلت فردوس مکان سے ۷ برس پہلے کے ایک بیان میں ظاہر کرتے ہیں:

سوانح حیات کتاب کریم فی ترجمہ ابراہیم میں بڑی تفصیل سے نذر قسط کیا ہے بیشتر حضرات صاحب تصنیف اور علمی آثار چھوڑ کر دنیا سے اٹھے۔

- (۱) مولانا سید علی جواد صاحب قبلہ بناری مجتہد المتوفی ۱۳۷۳ھ
(۲) قاری سید عباس حسین صاحب پروفیسر علی گڑھ کالج
(۳) مولوی مرزا محمد ہادی رسوا، پروفیسر کرچن کالج لکھنؤ
المتوفی ۱۹۳۱ء

- (۴) مولانا سید امجد حسین صاحب قبلہ الہ آبادی
(۵) محقق ہندی مولانا سید محمد حسین صاحب محدث لکھنؤ
المتوفی ۱۳۳۷ھ

- (۶) الحاج مولوی حکیم سید حسین ابن مولوی تفضل حسین
سنجھلی امام مسجد کرسوان کان پور المتوفی ۱۹۳۷ء
(۷) مولوی سید ثار حسین صاحب عظیم آبادی

- (۸) قاری یعقوب علی خان صاحب نصرت المتوفی ۱۳۴۸ھ
(۹) حکیم سید رضا حسین صاحب مرحوم ساکن کٹرہ
ابو تراب خاں لکھنؤ

- (۱۰) مولوی سید امیر حسین صاحب پیش نماز کربلائے
امین الدولہ لکھنؤ

- (۱۱) مولوی سید غلام عباس صاحب مرحوم

- (۱۲) میر علی جواد صاحب رسول پوری

- (۱۳) مولوی مرزا وزیر علی صاحب ادیب

- (۱۴) مولوی سید مرتضیٰ شاہ خطاط لکھنؤ

- (۱۵) مولوی سید مہدی حسن عرف بٹن صاحب لکھنؤ

- (۱۶) مولوی محمد احسن صاحب شکار پوری

میرے پاس ۴۰۰ مسئلہ دستخطی جناب سلطان العلماء و ملک العلماء و سید محمد ابراہیم صاحب فقیہ، تاج العلماء موجود ہیں انھیں مسائل کو موصوف نے تحفۃ العوام مطبوعہ ۱۳۰۱ھ میں مناسب مقامات پر درج کیا ہے اور فردوس مکان کی تقریظ حاصل کی۔ آپ مطبع نول کشور کے مسیح تھے اور پریس کو آپ کی ذات سے جو ترقی مسلمانوں اور فرقہ امامیہ میں ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ تحفۃ العوام رجب علی بھائی ساکن جلال پور ضلع فیض آباد نے مجھے سفر کلکتہ میں دکھائی۔

(۱۲) بیاض نسخہ جات: یہ ضروری نہیں ہے کہ علم دین کے ماہر علم بدن سے بھی شوق رکھتے ہوں۔ مگر فردوس مکان کے طبی ذوق کی گواہ وہ بیاض ہے جس میں اپنے عہد کے نامور اطباء کے معالجات آپ نے قلمبند کئے ہیں۔ حکیم نواب مرزا خلف حکیم وزیر مرزا، حکیم سید علی، حکیم محسن کربلائی، حکیم ہاشم علی، حکیم مرزا علی احمد، حکیم میر باقر برادر مولوی سید حیدر، حکیم میر صادق حکیم شیخ تفضل حسین، حکیم سید محمد خان، حکیم شیخ علی محمد کے نسخے خنار نیر، برص، ناسور، مارگزیدہ، فوت جنین اور بکثرت بیماریوں کی دوائیں قدیم ترکیب اور نئی ترتیب اسلوب جدید کے مرکبات معجون، جوارش، مسہلات وغیرہ کیا کچھ نہیں ہے۔

حلقہ تلامذہ

شاگردوں کی فہرست طویل ہے۔ جو نام پیش کئے جا رہے ہیں، آپ خود اندازہ کریں گے کہ بعض افراد اس قدر مشہور اور ممتاز ہیں جن کی مستقل سوانح حیات لکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ باب ہم نے سرکار فردوس مکان کی بسیط

(۱۷) مولوی لطافت علی صاحب مرحوم

(۱۸) مولوی حکیم سید احمد حسین صاحب زیدی مرحوم پیش

نماز مسجد بخشی بازار الہ آباد المتوفی حدود ۱۹۲۰ء

(۱۹) طبیب حاذق حکیم مرزا محمد تقی صاحب المتوفی

۱۳۵۲ھ لکھنؤ

(۲۰) پرنس سلطان محمود مرزا گورگانوی برق آپ کا قیام

کاشی میں رہتا تھا اور آپ ہی تلامذہ فردوس مکان کی آخری

فرد ہیں۔ اپنے زمانہ کے علم نسب میں وہ عقیل عصر تھے مجھے

ان کی مایہ ناز تصنیف مذاکرات حلیہ دیکھنے کا شرف

حاصل ہوا ہے جو شاہان مغلیہ کے نسب اور مورث اعلیٰ کے

شجرہ پر مشتمل بے نظیر تالیف تھی۔ زیور طباعت سے آراستہ

نہیں ہوئی عرصہ ہوا وہ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

فردوس مکان کا غیر منقطع سلسلہ فیوض

فہرست تلامذہ میں ۲۰ نام آپ کے سامنے

گذرے۔ شاگردوں کے شاگرد لا تعداد ہیں جن کے اسماء ضبط

تحریر میں نہیں آسکتے۔ صرف احفاد فردوس مکان کے تلامذہ میں

کچھ جانے پہچانے نام درج کئے جاتے ہیں جو اولاد امجاد کے

واسطہ سے جناب کی ذات تک پہنچتے ہیں۔ بعض مقدس نفوس کے

اصرار سے اس عنوان پر یہ تذکرہ ختم کیا جا رہا ہے جن حضرات کے

نام رہ گئے ہیں وہ دل و جان سے مجھے معاف کریں۔

فقیہ عہد مولانا سید محمد عرف میرن

صاحب قبلہ مرحوم و مغفور

تاریخ وفات ۲۷ رجب ۱۳۸۰ھ

آپ کے ۲۹ تلامذہ کی فہرست میں حسب ذیل

افراد کے نام محتاج تعارف نہیں ہیں:

(۱) مولانا سید ابرار حسین صاحب مرحوم پاروی المتوفی ۱۳۵۵ھ

(۲) مولانا سید کلب عابد امام جمعہ لکھنؤ

(۳) حضرت مہذب لکھنوی عظیم الشان اردو لغت کے مصنف

(۴) خطیب اصغر مولوی حسین احمد جعفری مقیم لندن

(۵) مولانا میرزا محمد اصغر صاحب فاتح پرتم پاسا

(۶) مولانا سید کاظم مجتہد مقیم طہران

(۷) حکیم سید صفدر نواب صاحب زیدی مقیم کراچی

(۸) مولانا سید محمد محسن مجتہد امام جمعہ مقیم کراچی

(۹) مولانا مرزا بندہ حیدر صاحب قبلہ کراچی

(۱۰) علامہ نصیر الملتہ اجتہادی قبلہ لاہور

(۱۱) مولانا مرتضیٰ حسین لکھنوی قبلہ لاہور

(۱۲) مولانا نجم الحسن صاحب کراوی پشاور سرپرست

شہاب ثاقب۔

سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب

قبلہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھارت

آپ کے لا تعداد مستفیض تلامذہ میں حسب ذیل

اسماء اس سیرت میں نظر انداز نہیں کئے جاسکتے:

(۱) آقا شیخ علی بن محمد رضا آل کاشف الغطاء نجف اشرف

(۲) مولانا الحاج سید شمس حسین صاحب مدرسہ شارع العلوم

قدم گاہ حیدر آباد

(۳) مولانا مفتی جعفر حسین صاحب مجتہد گوجرانوالہ مترجم

نچ البلاغہ وصحیفہ کاملہ وغیرہ

(۴) علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونیوری (ڈاکٹر، معلم

- (۱) مولانا سید مرتضیٰ مجتہد مدرس مدرسہ مشارع الشرائع، لکھنؤ
- (۲) خطیب مشہور مولانا سید سلیمان عباس صاحب بنارس ہندو یونیورسٹی بھارت
- (۳) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی پی ایچ۔ ڈی۔ بمبئی بھارت
- (۴) مولوی عبدالباقی ایم۔ اے۔ کنگ کانج لکھنؤ
- (۵) حکیم محمد بشیر صاحب مخمور مرحوم طبیب جھوائی ٹولہ وفات ۱۹۵۵ء
- (۶) ابوالبلاغہ مولوی سید علی داور مرحوم صدر الافاضل مدیر ماہنامہ مبلغ لکھنؤ وفات ۱۳۵۲ھ
- (۷) حکیم سید خورشید حسین صاحب انچارج دارالشفاشاہی چوک لکھنؤ
- (۸) مولانا مولوی سید امیر شاہ صاحب بلتستانی
- (۹) مولوی سید مہدی حسین کمال مرحوم عظیم آبادی المتوفی ۱۹۴۶ء
- (۱۰) خطیب دکن نواب احمد علی خاں مرحوم گھٹالہ جاگیر دار حیدر آباد
- یہ مختصر افراد ہجرت سے پہلے کے ہیں لکھنؤ چھوڑنے کے بعد سے جن اصحاب کی خدمت کی اس کی تفصیل خود میرے قلم سے اچھی نہیں معلوم ہوتی ۔
- درویش و فقیریم دریں گوشہ دنیا
از نیک و بد خلق جہاں کار نہ داریم
- شذرات**
وقف حسین آباد مبارک کی شاہی مسجد جہاں
- از ہر مصر) ناظم دینیات شعبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
- (۵) مولانا سید فرا حسین صاحب مجتہد قتال پور ضلع ملتان
- (۶) مولانا سید ضمیر الحسن صاحب نجفی محدث علی پور ضلع جھنگ
- (۷) مولانا شبیہ الحسنین صاحب بدایونی خیر پور
- (۸) جناب مولوی شیخ ہدایت حسین صاحب ذاکر کوٹ اودو ضلع ملتان
- (۹) مولوی سید محمد ہادی فقیہ مرحوم (برادرزادہ)
- (۱۰) مولانا سید نجم الحسن صاحب کراروی سرپرست شہاب ثاقب پشاور
- (۱۱) مولانا محمد ہاشم انصاری فرنگی محلی
- (۱۲) مولوی حیات اللہ انصاری مدیر روزانہ قومی آواز لکھنؤ
- (۱۳) ڈاکٹر امیر حسن عابدی صدر الافاضل ایم۔ اے۔، پی ایچ۔ ڈی۔ دہلی یونیورسٹی
- (۱۴) امیر حسن تورانی ایم۔ اے۔
- (۱۵) مولوی جمیل احمد ایم۔ اے۔ کراچی یونیورسٹی
- (۱۶) ڈاکٹر محمد رضوان علوی ایم۔ اے۔، پی ایچ۔ ڈی۔
- (۱۷) مولانا محمد ایوب صاحب ممتاز الافاضل
- (۱۸) ڈاکٹر محمد احسان علوی ایم۔ اے۔، پی ایچ۔ ڈی۔
- (۱۹) محمد عبدالقدوس
- ناچیز آغا مہدی مصنف تذکرہ هذا**
جن حضرات کو خطابت، قلم فرسائی یا سرکاری امتحانات پر تیار کیا یا جن کو فقہ جعفری اور ادب کی تعلیم دی، ان کی تعداد ۵۷ نفوس تک پہنچی ہے جس میں سے صرف حسب ذیل اسماء ملاحظہ ہوں۔

جناب نماز مغربین روزانہ پڑھاتے تھے اور یہ اہم ٹرسٹ میں ان کے احفاد تک حسب دستور باقی ہے، اس مسجد کا سنگ تعمیر اور مادہ تاریخ عربی کا ایک مصرعہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

۔

یہ ہے مقام ابراہیم

امام بارہ ممتاز العلماء کے فروغ میں آپ کا یہ منصوبہ موت نے پورا نہ ہونے دیا کہ عمارت سڑک سے ملحق ہو اور گاڑیوں پر آنے والے شرکاء پیدل چلنے کی زحمت نہ اٹھائیں اس سلسلہ میں عقب حسینہ کے مکانات واقع حمام کی گلی خریدنے کا عزم اور اس رخ پر ایک گیٹ کی تجویز کی تھی جو خرید چکے تھے۔ ورثہ نے بعد میں تقسیم کیا۔

مجلس عزائم میں غیر مسلم طبقہ اور حکام کو دعوت دینے میں بھی آپ کو اولیت حاصل ہے، انگریز، ہندو، سکھ نویں محرم کی مجلس میں مدعو کر کے شریک ہوتے تھے اور جزو سخن ان کے لئے رزرو تھا جو بعد میں چبوترہ میں شامل ہوا۔ آپ ایام عزائم میں اپنے موعظہ میں مصائب دلچسپی سے بیان کرتے تھے اور خلوص آمیز ہر فقرہ میں ہنگامہ بکا برپا ہوتا تھا۔ بالائے منبر کی گفتگو سحر بیانی کی حد میں تھی۔ آواز میں نئی لے، مطالب کی گل افشانی، تقریر نکھری ستھری، ہنس کھ چہرہ اور فضائل اہلبیتؑ میں دلفریب مسکراہٹ، دل کو موہ لینے والی نظر سامعین میں محویت کا وہ عالم کہ دل اپنے غم بھول کر مسکراہٹوں کے پھول چن لیا کرتے تھے۔

اثناء تلاوت قرآن میں کتاب خدا کی آیات سے جو ربط مصائب نظر آتے تھے وہ میر محمد شاہ محدث اطلاع پر

قلمبند کرتے تھے اور عزائے امام مظلوم میں ایک ٹھوس اضافہ ہوتا تھا۔

تقریظ:

میں غیر معمولی احتیاط تھی اور رائے لکھتے وقت وہ کتاب کے حرف حرف کے ذمہ دار ہو جاتے تھے۔ ممکن نہیں کہ دیکھی ہوئی کتاب میں کوئی سقم ہو۔ حسب ذیل کتب پر آپ کی تقریظیں ہیں:

(۱) نہر المصائب اردو از اخوند مرزا قاسم علی لکھنوی مرحوم و مغفور

(۲) زاد المسافرین، عتبات عالیات کے مسافروں کی راہنمائی کرنے والی کتاب مطبع اثناء عشری لکھنؤ باہتمام مولوی میر عابد علی صاحب مرحوم ۱۳۰۳ھ میں طبع ہوئی۔

(۳) زاد الزائرین عراق و ایران کا سفر نامہ مرزا صاحب موصوف کا شاہکار

(۴) شفاء الصدور ترجمہ اردو حیات القلوب کامل۔

(۵) دمع الہتون ترجمہ جلاء العیون (اردو)۔

(۶) ذین المتقین ادعیہ اور اعمال میں مولوی سید محمد تقی سرسوی کی جامع کتاب۔

(۷) تحفة العوام طبع منشی نول کشور ۱۳۰۱ھ لکھنؤ۔

اقتصادی حالت عموماً اہل علم کی خراب ہوتی ہے اور وہ قوم کے چشم و ابرو پر نظر رکھتے ہیں۔ بعض تحریروں سے واضح ہوا کہ چالیس نفوس آپ کے زیر عیال تھے جن کا نان و نفقہ آپ کے ہاتھ میں تھا۔ بادشاہ کی طرف سے خزانہ اودھ کی پنشن نہ بھی ہوتی تو آپ کے خصوصیات میں تھا کہ عطر

عیسائیوں کو ہٹا کر آپ نے مسلمانان شہر کے سپرد کیا اور شیعہ سنی اتحاد میں مثال قائم کی یہ قبضہ ایچ۔ ڈبلو۔ ہشنگ ڈپٹی کمشنر لکھنؤ کے عہد میں ہوا۔

(۳) مسجد تحسین کی عمارت عہد نوابی کی تعمیر اور امامباڑہ آصفی کی خصوصیت کا نقش ثانی کہیں لوہا یا لکڑی دیوار و در میں استعمال نہیں ہوا۔ اس مسجد کی دوکانات پر سقف چوبی آپ نے اپنی جیب خاص سے قائم کی اور دوکانات مسجد کے کرایہ میں اضافہ ہوا۔ یہ پیوند جدید ساخت پر ہمیشہ فردوس مکان کے عمارتی ذوق کا پتہ دے گا۔

(۴) امامباڑہ ممتاز العلماء واقع عقب مسجد تحسین اندرون باغ دو درپچوں پر مشتمل تھا۔ تیسرا درجہ بڑھا کر اپنے اس آبائی عزاخانہ کا بھی وقار قائم کیا۔

(۵) عربی فارسی کتابوں کے تراجم پر اسلاف خاندان کی مکمل توجہ تھی۔ آپ کے عہد میں حیات القلوب، جلاء العیون فارسی کے مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب جاسی نے کامیاب ترجمے کئے اور فردوس مکان کی تقریظ نے مہر تصدیق ثبت کی۔ مولف وطن مالوف کے ذمہ دار اہل قلم میں تھے۔

(۶) مسجد آصفی میں نماز جمعہ کا اجتماع بھی آپ کی یادگار ہے۔ قبل ازیں جمعہ کی نماز مسجد تحسین میں ہوتی تھی۔ نقل اجتماع آپ کے اولیات میں ہے اور پہلی نماز عید ۲۴ جولائی ۱۸۸۴ء کو اسی مسجد میں ہوئی۔

(۷) مرکز پر تعطیلیں فردوس مکان کے حکام سے جدوجہد کا نتیجہ ہیں سکرپٹری بورڈ آف ریونیو ممالک مغربی

سازی میں اعلیٰ ماہر تھے اور پتہ نہیں کہ خوشبویات کے حفظ و نشر کفن کس سے سیکھا تھا اور ان کے کپڑوں میں خانہ ساز عطر ہوتا تھا۔ جس راستہ سے فینس نکلتی تھی دماغ معطر ہوتے تھے۔ اصغر علی محمد علی کا کارخانہ عطر اسی زمانے میں لکھنؤ میں قائم ہوا۔ اگر وہ تحصیل دنیا چاہتے تو لکھ پتی بن سکتے تھے۔ ہنر پاس ہونے پر اس سے سرمایہ پیدا نہیں کیا۔

یادگار: فردوس مکان کے آثار باقیہ

اس وقت مدوح کی جو یادگار میں اولاد، تصانیف، تلامذہ کے علاوہ ہمارے سامنے ہیں وہ خود ایک زندہ ثبوت ہیں۔ قومی و مذہبی خدمات کا اگر پیش رو ایک اثر چھوڑ جائے تو اس پر نظریں پڑتی ہیں اور دنیا سے گذر جانے والا فانی نہیں سمجھا جاتا۔

آپ کی حسب ذیل نشانیاں موجود ہیں جو واقعات سے باخبر ہستیوں کو برساہرس آپ کی یاد دلاتی رہیں گی۔

(۱) دنیائے تشیع میں حسین بن علیؑ کے مقدس نام پر سب سے بڑی عمارت جس کا عجاہبات عالم میں شمار ہے امام باڑہ آصف الدولہ کو انگریزوں نے قلعہ بنا رکھا تھا۔ ۲۰ جون ۱۸۸۴ء سے ظالم انگریزوں کی فوج آپ کی کوشش سے ہٹائی گئی اور امامباڑہ عزاخانہ قرار پایا، مسجد آصفی واگذار ہوئی اور یہ فلک بوس عمارت آپ نے حسین آباد ٹرسٹ کے سپرد کی اس سے پہلے آپ کے گھر کے نوکر مسلمی نجف علی منصب علی حفاظت کرتے تھے۔

(۲) لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے ٹیلے کی سر بلند مسجد کو فوج نے ڈپنری بنا رکھا تھا۔ اس مسجد سے

وشالی نے اپنی تحریر یکم نومبر ۱۸۸۹ء میں آپ سے استصواب کے بعد منظور کیا۔

(۸) اذان میں شہادت ولایت حضرت امیر فردوس مکان کی اس قربانی کا نتیجہ ہے جو نواصب کی مورچہ بندی میں جس کی پشت پناہی کرنیل نیو بری کر رہا تھا بھرپور دلیری اور عظیم جرأت و ہمت کے ساتھ ظہور میں آئی اور گورنمنٹ نے ۱۸۸۹ء میں اس فقرہ کو ناقابل اعتراض قرار دے کر جزو ایمان تسلیم کیا۔

(۹) قوم میں تعلیم جدید انھیں کی تجویز ہے اور جتنے تعلیم یافتہ ملت جعفری میں گذرے ہیں اور مستقبل میں گذرتے رہیں گے، وہ جناب ہی کی مشروط اجازت کے رہین منت ہیں۔

(۱۰) جو فوٹو جناب کا اس اشاعت میں حاضر ہے وہ نواب ممتاز الدولہ بہادر مرحوم کے حاصل کردہ عکس کی نقل ہے اور بزرگوں سے سنا کہ یہ پکڑے اس قدر بیش قیمت تھے کہ اس کو فروخت کر کے آپ نے حج کیا دوسری تصویر قیصر باغ لکھنؤ کے عجائب خانہ لال بارہ دری میں ہے جو عنفوان شباب کا عکس ہے۔

(۱۱) آپ کے دست مبارک کے مخطوطات اور تفسیر کی اصل مجھ میرے سامنے ہے اور لباس میں صرف ایک قبا اوئی چیمنٹ کی سبز رنگ روئیدار موجود ہے جو اچھی حالت میں قابل استعمال ہے جس کی حفاظت فرض سمجھتا ہوں۔
صفحے تمام ہوئے اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

تعلیمات

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا
(گزارش) اس سیرت کو اگر آپ نے مطالعہ کا شرف عطا
کیا ہے تو پہلے سوانح غفران مآب ملاحظہ کیجئے جو سلسلہ کی پہلی
کڑی ہے۔

(۱) احکام شرعیہ عام ہیں اور ایسا نہیں کہ ذاتی مفاد کے لئے بدل دیئے جائیں اولاد کے عدم بلوغ میں پندرہ سال سے کم عمریئے کو قائم مقام نہیں کیا۔

(۲) نماز جمعہ کو جس کے وہ بانی تھے اپنی ملکیت نہیں سمجھتے تھے اور جمعہ کا اجتماع ان کی نظر میں بڑا وقع تھا ان کی وسعت خیالی چاہتی تھی کہ ہمعصر طبقہ اہل علم سے قوم واقف ہو اور گوشہ نشین عالم گمنام نہ رہیں۔ جس پر ان کی نظر انتخاب پڑتی تھی، اس کو مسجد تحسین یا آصفی میں بھیجتے تھے اور وہ جمعہ ان کی تجویز سے پڑھاتا تھا۔ ان کی بارگاہ میں القاص لایحب القاص غلط تھا۔ سلف کی اس پاکیزہ سیرت کو دیکھتے ہوئے۔ بھارت کے شہر کانپور میں ایک محلہ کے دو جمعہ اور ملتان کی سرزمین پر جمعہ کی دو جماعتیں حد درجہ قابل افسوس اور شریعت کو کھلونا بنانا ہے۔ فقہ جعفری میں جمعہ حدود معین میں ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔

(۳) جہیز کی بڑی دولت کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اور مفلس ماں باپ کو ہدایت کی کہ اگر وہ لڑکی کے وقت رخصتی جہیز نہیں دے سکتے تو شرمندہ نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کے پاس ہو وہ نہ دے بلکہ جو نہ لینا چاہے اس کو دینے کا

اصرار نہ کرو۔ اگر کوئی لڑکی ساتھ کچھ نہ لائے اور اس کا کردار جمیل ہے تو وہ قابل عزت ہے اور والدین جہیز کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔

(۴) وصی کو اس کے حکم کا لحاظ رکھنا چاہئے جس نے وصیت کی ہے۔ یہ تعلیم ذرا طویل ہے اس موضوع پر والد ماجد طاب ثراہ نے اپنے تحصیل کمال کے بعد عبارات کتب فقہ کا جو عظیم ذخیرہ مرتب کیا تھا، اس کو میں بھارت میں چھوڑ آیا، وہ مستقل تالیف ہے، والد علام کی جس کو ان کی سوانح حیات تذکرۃ المتقین میں، میں نے شمار نہیں کیا جمعیت خدام عزا کی اس تالیف کو بھی آپ دیکھیں جو کیا ب ہے بھارت سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

(۵) مریض کو آخر وقت تک دوا میں حرام اجزاء نہ دیئے جائیں۔

(۶) اولاد کو والدین کی اطاعت اور بی بی کو میاں کی فرمانبرداری واجب ہے اس نظریہ پر کبھی خط نہ کھینچ سکتا۔

(۷) علماء میں باہمی اعتماد اور ایک دوسرے کی اقتداء میں شریک جماعت ہونا سلف صالحین کی سیرت ہے۔

(۸) سفر انسانی زندگی کا اعلیٰ جزو اور زیارتیں اور حج فرض ہے۔

(۹) فردوس مکان کی ذات ملک میں ہمہ گیر اثر رکھتی تھی سنی شیعہ ہندو برابر سے ان کا احترام کرتے تھے پنڈت رتن ناتھ سرشار مشہور ہندو ادیب اپنی کتاب لکھنؤ کے محرم میں رقم طراز ہے:

چلئے ذرا مجالس عزا کا رنگ ڈھنگ بھی تو دیکھیں نواب باقر حسن خاں بہادر اور داروغہ میر واجد علی اور جناب سید العلماء مہر سپہر شرع و دینداری سید ابراہیم صاحب اور جناب آغا علی خاں صاحب سابق ناظم کی مجلسوں میں گھر ماتم داران جناب سید الشہداء علیہ آلاف التحیۃ والثناء وزائرین مصائب خامس آل عبا کی اشک باری اور گریہ وزاری سے یقین کامل ہو گیا کہ ماتم داری لکھنؤ پر ختم ہے۔

(فسانہ آزاد جلد ۱ ص ۳۵ طبع نول کشور ۱۹۴۹ء)

(۱۰) اذان میں کلمہ بلا فصل کی حیثیت بقول ایک مقدمہ کی تجویز نوشتہ مسٹر محمودہ اطلاع ہے جو مسجد کو فرقہ اثناء عشری سے خاص قرار دیتے ہوئے مرزائی اہلحدیث اور دیگر فرقہ ہائے اسلام پر واضح کرنا ہے کہ بارہ اماموں کے پیرو یہاں نماز پڑھتے ہیں کسی کو دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۱) الہ آباد اور ضلع کی عزاداری، کربلا میں، عز خانے، دیہاتوں کے ماتم کدے، داندو پور کے ۱۴ امام باڑے، منجھن پور اور بسونا اور رالامین ہر جگہ دو امام باڑے اسراوان کلاں، چائل، عالم چند کے امام باڑے، کراری کی مقبول ترین کربلا، جسٹوہ میں عزاداری کا فروغ اس تبلیغی جدوجہد کے عملی نقوش ہیں جس کے کاغذات کے نقول آپ پڑھ چکے۔

